SHABNAM QAYOOM KI NOVELOUN KA TANQEEDI JAYEZA

A dissertation submitted to the University of Hyderabad in the partial fulfillment of the requirements for the award of the degree of

MASTER OF PHILOSOPHY

IN

URDU

SUBMITTED BY

JAVAID AHMAD WANI

(19HUHL06)

SUPERVISOR

PROF HABEEB NISAR

DEPARTMENT OF URDU

SCHOOL OF HUMANITIES

UNIVERSITY OF HYDERABAD

HYDERABAD – 500046

TELANGANA, INDIA

SEPTEMBER 2021

شبنم قیوم کی ناول نگاری کا تنقیدی جائزہ

مقالہ برائے

ایم۔فل (اردو)

مقالہ نگار

جاوید احمد وانی

Reg.No.19HUHL06

نگراں

پروفیسر حبیب نثار

شعبۂ اردو

اسکول آف ہیومانٹیز

یونی ورسٹی آف حیدرآباد

۲۰۲۱

Date: 21-09-2021

DECLARATION

I, **Javaid Ahmad Wani** hereby declare that this dissertation entitled **"Shabnam Qayoom Ki Noveloun Ka Tanqeedi Jayeza"** submitted by me under the guidance and supervision of **Prof. Habeeb Nisar,** is a bonafide research work which is also free from plagiarism. I also declare that it has not been submitted previously in part or in full to this University or any other University or Institution for the award of any degree or diploma. I hereby agree that my dissertation can be deposited in Shod Ganga / INFLIBNET.

Name: **Javaid Ahmad Wani**

Signature of the Student

Reg. No. 19HUHL06

Date: 21-09-2021

CERTIFICATE

This is to certify that the dissertation entitled **"Shabnam Qayoom Ki Noveloun Ka Tanqeedi Jayeza "** submitted by **Javaid Ahmad Wani** bearing Registration No. **19HUHL06** in partial fulfillment of the requirements for the award of Master of Philosophy in Urdu is a bonafide work carried out by him under my supervision and guidance.

This dissertation has not been submitted previously in part or in full to this or any other University or Institution for the award of any Degree or Diploma.

This is also to certify that **Javaid Ahmad Wani** participated in the One-Day International Seminar on *"urdu adab aur qoomi yakjahiti"* held on 25&26March2021 She has presented the paper titled ***"urdu noveloun mei qoomi yakjahiti"*** Organized by Sat vahana University, Hyderabad, Telangana.

Signature of the Supervisor
Prof. Habeeb Nisar

//Countersigned//

Head
Department of Urdu

Dean
School of Humanities

DEPARTMENT OF URDU

SATAVAHANA UNIVERSITY

Karimnagar 505002 - (T.S)

Sponsored By: National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Govt. of India, New Delhi.

A TWO-DAY INTERNATIONAL SEMINAR ON

URDU LITERATUR & NATIONAL INTEGIRITY

دوروزہ بین الاقوامی سیمینار بعنوان: اردو ادب اور قومی یکجہتی

CERTIFICATE

This is to certify that JAVAID AHMAD WANI MPhil. Scholar University of hyderabad Participated in the Seminar held on 25 & 26th March 2021

He/She/Presented the Paper Tiled اُردو ناولوں میں قومی یکجہتی

Dr. MOHD. JAFER JARI
Principal

Dr. NAZIMUDDIN MUNAWAR
Head & seminar Director

موضوع

شبنم قیوم کی ناولوں کا تنقیدی جائزہ

فہرست

پیش لفظ

باب اول : (الف) ریاست جموں کشمیر کا تاریخی وسیاسی پس منظر

(ب) شبنم قیوم کے سوانحی کوائف

(۱) حالات زندگی

(۲) شخصیت

باب دوم : شبنم قیوم کے علمی وادبی خدمات

باب سوم : شبنم قیوم کی ناولوں کا تنقیدی جائزہ

باب چہارم : ماحصل

کتابیات

مقالہ نگار

جاوید احمد وانی

پیش لفظ

پیش لفظ

اوّلا راقم شان خداوندی کا لاکھ لاکھ حمد وثنا بجالاتا ہے۔کہ جس کی برکت اور رحمت سے یہ مقالہ پایہ تکمیل کو پہنچا۔اگر خدا کی نامنظوری ہوتی تو اس تحقیقی کام کا انجام پانا ناممکن تھا۔اس کام کے مکمل ہونے سے قلب و جان کو بڑی حدتک راحت اور خوشی میسر ہوئی۔راقم کا خاندان اس خوشی میں برابر کا شریک ہے۔

موضوع کا انتخاب کرنے کے بعد کئی مرتبہ ذہن میں حیران کن سوالات گونج رہے تھے۔لیکن شعبۂ اردو سینٹرل یونی ورسٹی آف حیدرآباد کے شفیق نگراں کی بدولت ہر سوال آسان ہوتا چلا گیا۔راقم کے مقالے کا عنوان ''شبنم قیوم کی ناولوں کا تنقیدی جائزہ'' طے پایا گیا۔اس موضوع پر اپنے رفیق نگراں پروفیسر حبیب نثار صاحب سے مشورہ کرکے اس بات کی تسلی پائی کہ اس موضوع پر کام کیا جاسکتا ہے۔راقم نے نگراں کے تعاون سے مقالے کو تین ابواب میں منقسم کیا ہے۔

باب اوّل : ''حصّہ الف۔ ریاست جموں کشمیر کا تاریخی وسیاسی پس منظر'' اس حصّے میں جموں وکشمیر کے پس منظر کے ساتھ ساتھ اس ریاست میں اردو کے ظہور پزیر ہونے پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس کے بعد ''حصّہ ب۔ شبنم قیوم کے سوانحی کوائف'' یہاں شبنم قیوم کے آباواجداد، پیدائش، تعلیم، ملازمت، ازدواجی زندگی، ادبی زندگی، اعزازات وانعامات اور شبنم قیوم سے ایک انٹرویو۔جیسے نکات پر تفصیل کے ساتھ بحث کی گئی ہے۔ساتھ ہی شبنم قیوم کی ''شخصیت'' کو بیان کرتے ہوئے شبنم قیوم کے حلیہ، لباس، غذا، معمولات زندگی، رہن سہن، ہمدردی ومخلصی، بحثیت دوست، انداز گفتگو، حلقہ احباب، سفر عرب اور فریضہ حج پر بحث کرکے پوری شخصیت کو اجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

باب دوّم : ''شبنم قیوم کے علمی وادبی خدمات'' اس باب میں شبنم قیوم کی ادبی خدمات جیسے ناول نگاری، افسانہ نگاری، ڈراما نگاری، سفرنامہ نگاری پر اختصار کے ساتھ بات کی گئی ہے۔ساتھ ہی ساتھ ان کی دیگر تصانیف پر بھی روشنی ڈالنے کی سعی کی گئی ہے۔

باب سوّم : ''شبنم قیوم کی ناولوں کا تنقیدی جائزہ'' یہ باب مقالے کا آخری اور اہم باب ہے اس

باب میں شبنم قیوم کی ناولوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ تحقیق سے انکشاف ہوا ہے کہ شبنم قیوم کی بعض ناولوں کے مسودے سیلاب کی نذر ہوئے۔ حال میں صرف ان کی دو ناولیں ''یہ کس کا لہو کون مرا؟'' اور ''پچھتاوا'' قارئین کے پاس دستیاب ہیں۔ محترم شبنم قیوم سے دریافت کرنے کے بعد انہوں نے بھی صرف ان ہی دو ناولوں کا ذکر کیا۔ ان دو ناولوں کے پلاٹ، کردار نگاری، زبان و بیان، نقطۂ نظر کے اجزاء پر تنقیدی جائزہ پیش کرنے کی سعی کی گئی۔ اس کے علاوہ ان ناولوں میں اُس دور کے تاریخی، سیاسی، سماجی، اور اقتصادی مسائل بھی پیش کیے گئے ہیں۔

شبنم قیوم کی مقبولیت اردو دنیا میں اس کی حقیقت پسندی سے ہے۔ زندگی کے حقائق سے آنکھیں چرانا خواہ وہ کتنے ہی تلخ کیوں نہ ہو اس کی فطرت سے بعید ہے۔ وہ ایک نڈر بے باک، جرأت مند، صاف اور نیک دل قلم کار ہیں۔ راقم اپنے نگران پروفیسر حبیب نثار صاحب کا صمیم قلب سے شکریہ ادا کرتا ہے کہ جنہوں نے تحقیق کی دشوار گزار راستوں کو میرے لیے ہموار کر دیا اور ہمیشہ ادبی مسائل پر سنجیدگی سے غور و فکر کرنے کا مشورہ دیتے رہے۔ شعبۂ اردو پروفیسر سید فضل اللہ مکرم نے ہمیں درس و تدریس کے دوران تحقیق کے جن اصولوں سے روشناس کیا راقم ان کا بھی مشکور ہے۔ پروفیسر سید فضل اللہ مکرم صاحب کے علاوہ شعبے کے باقی تمام اساتذہ کرام کا بھی شکر گزار ہوں کہ جو وقتاً فوقتاً ہماری رہبری کرتے رہے۔

والدین، جناب عبد الرحمان وانی اور نزیرہ بانو جنہوں نے ہمہ تن میری تعمیر کی۔ پاک خداوند انہیں جزبہ ایمان، خوشی و مسرت اور لمبی عمر عطا فرمائیں۔ ساتھ ہی اپنے شفیق ساتھی نظیر احمد گنائی، سبزار سکندر سہہ، ذاکر احمد کمار، مدثر احمد گنائی، عارف احمد ڈار، اسرار احمد، سرتاج احمد میر، مختار احمد نائیکو وغیرہ کا بھی مشکور ہوں۔

شکریہ

جاوید احمد وانی

شعبۂ اُردو، یونی ورسٹی آف حیدرآباد

۲۰۲۱ء

حیدرآباد

باب اول

(الف) ریاست جموں کشمیر کا تاریخی و سیاسی پس منظر

(ب) شبنم قیوم کے سوانحی کوائف

(۱) حالات زندگی

(۲) شخصیت

(الف) ریاست جموں کشمیر کا تاریخی وسیاسی پس منظر

جموں وکشمیر ایشاء کی ایک ایسی ریاست ہے جہاں ہمیشہ مختلف تجربوں اور مختلف تہذیبوں کی آمیزش ہوتی رہی اوراس آمیزش کی وجہ سے یہاں کی زبان وادب میں کئی پہلو پیدا ہوئے۔وادی کے لوگوں نے اپنی فطری ذہانت قابلیت اور ہوش مندی سے علم و ادب، موسیقی وغیرہ میں وہ کمالات دکھائے ہیں نہ صرف ہندوستان بلکہ بیرونی مما لک کو بھی پر متاثر کیا ہے۔ یہ تخلیقی ذہن نہ صرف کشمیری زبان وادب تک محدود ہے بلکہ سنسکرت، فارسی، ہندی اور اردو میں بھی آب وتاب سے جھلکتا ہے۔

وادی کشمیر تین صوبوں پر مشتمل ہے جموں، کشمیر اور لداخ۔تینوں صوبوں کے درمیان وسیع وعریض پہاڑی علاقے ہیں جن کی وجہ سے تینوں صوبوں کی زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔لکھن پور سے بانہال تک کا علاقہ جموں کہلاتا ہے، جموں رقبے کے لحاظ سے ۸۸۰۰۹ مربع میل ہے جموں کی مقامی زبان ڈوگری ہے۔ جموں کو سنسکرت میں ''دوگرت'' کہتے ہیں جس کا مطلب دشوار گزار راستوں والا علاقہ اور ڈگر میں بولی جانے والی بولی ڈوگری کہلائی۔ یہ بولی جموں، اُدھم پور، رام نگر، کٹھواہ، بسولی اور کانگڑہ میں بولی جاتی ہے۔ڈوگری زبان لسانی اعتبار سے پنجابی اور اردو سے قریب ہے۔

جموں اوراس کے نواح میں پنجابی ،لہندا، پہاڑی یا ڈوگری جو زبانیں رائج ہیں وہ اردو کی ہمزاد ہیں۔ان میں صرف لفظی سرمائے کا اشتراک ہی نہیں بلکہ لسانی قلب اور جملوں کی ساخت، پرواخت کی مشابہت بھی موجود ہے۔اس لئے اردو ان علاقوں میں پہنچتے ہی ابتدائی جان پہچان کے بعد ان کی ہم جولی بننے لگی۔

دوسرا صوبہ کشمیر ہے، جو قاضی گنڈ سے شروع ہوکر پاکستان کی سرحد پر ختم ہو جاتا ہے۔کشمیر رقبے کے لحاظ سے ۱۸۳۹۰۷ مربع میل ہے۔کشمیر کی علاقائی زبان کشمیری ہےاور لوگ اسی کو مادری زبان کے طور پر بھی استعمال کرتے ہیں۔کشمیری زبان کا رسم الخط فارسی کے طرز پر ہے یہ رسم الخط سلطان زین العابدین کے دور میں حاصل ہوا تھا۔اس نے کشمیری ادب کے فروغ پر کافی توجہ دی تھی، کشمیری اور اردو زبان کے بہت سے الفاظ مشترک ہیں۔لیکن قواعد میں ایک دوسرے سے بہت مختلف ہیں۔

تیسرا صوبہ لداخ ہے، لداخ کشمیر کے پہاڑی علاقے سونہ مرگ سے شروع ہوکر چین کی سرحد پر ختم ہو جاتا ہے۔لداخ کو ''تبت صغیر'' بھی کہا جاتا ہے،لداخ کی علاقائی زبان لداخی ہے۔

تینوں صوبوں کی علاقائی زبانیں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔اس کے علاوہ گوجری ،بلتی، شنا، پنجابی،

بھدرواہی اوربکروالی وغیرہ بھی چھوٹی چھوٹی زبانیں ہیں۔لہذا ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی ایسی زبان موجود ہو جوتینوں صوبوں میں رابطے کا ذریعہ بنے اور تین لسانی اور تہذیبی خطوں یعنی جموں، کشمیراورلداخ کے درمیان ایک پل کا کام کرے۔جموں کے باشندے کشمیری زبان سے نا آشنا تھے اور کشمیر کے لوگ ڈوگری سے۔اس کے علاوہ لداخ کے لوگ ڈوگری اور کشمیری دونوں سے ناواقف تھے۔مواصلات کا انتظام کچھ بھی اچھا نہیں تھا کہ ہندوستان کے لوگوں کی آمدورفت عام ہوتی۔کچھ عرصہ کے بعد مواصلاتی انتظام بہتر ہونے لگا اور ہندوستان اور پنجاب سے لوگ کشمیر آنے لگے۔حکومت نے انہیں اپنے مفاد کے لیے ملازمتیں دیں اور اچھے اچھے عہدوں پر فائز کیا۔یہ لوگ اپنے ساتھ اپنی زبان یعنی اردو زبان لائے تھے اور مقامی لوگوں کے میل ملاپ سے کشمیر میں اردو کی ترویج کی سبیل نکل آئی۔

اردوزبان کے توسط سے ہی ریاست کی مختلف اور متعدد لسانی اکائیوں کے درمیان تہذیبی،سماجی اور سیاسی رشتوں کو استحکام حاصل ہوتا ہے۔بات یہیں ختم نہیں ہوتی بلکہ برصغیر کے مختلف علاقوں سے کشمیر کے رابطے کا وسیلہ بھی یہی زبان ہے۔مزید براں یہ کہ اردوزبان سے ریاست کی عوام کا بے حد جزباتی رشتہ ہے۔اس حوالے سے شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ کا کہنا ہے:

> ''کوئی بھی صاحبِ ذہن شخص اس حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ ایک صدی بھر سے اردو ریاست کی تینوں اکائیوں جموں،کشمیراور لداخ میں رابطے کی زبان کا کام خوش اسلوبی سے انجام دیتی ہے اور اس زبان میں آئندہ یہ فرض ادا کرنے کی اہلیت ہے۔کہ ایک قدم آگے یہی زبان پورے ملک کے ساتھ ہمارے رابطے کی زبان کا کام انجام دیتی ہے۔اس وقت بھی ہماری ریاست ۹۹ رفی صدی اخبارات اردو میں ہی نکلتے ہیں۔جن کے قارئین کی تعداد لاکھوں تک پہنچی ہے اور اردو اخبار وافکار کی ترسیل کے لیے ریاست میں اب بھی سب سے بڑا ذریعہ ہے۔اظہار کے زبان کے طور پر تہذیبی اور سماجی سطحوں پر یہی زبان ان اکائیوں کے میل ملاپ کی بنیادی ضمانت فراہم کرتی ہے۔اعتراف احسان کے طور پر یہ بات عرض کرنا برمحل سمجھتا ہوں کہ ریاست کی آزادی کے خدوخال اسی زبان کی مرہون منت رہے ہیں۔ہمارے لیے یہ بھول جانا ممکن ہی نہیں کہ ہماری آزادی کی

تحریک میں اس زبان کا ایک زبردست کردار رہا ہے۔'' (۱)

جموں وکشمیر ہندوستان کی واحد ریاست ہے جہاں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔اس کثیر لسانی صورتحال کے پیش نظر اردو ایک اہم ضرورت بن گئی تھی۔ڈوگرہ راج سے قبل سکھوں نے کشمیر پر ۲۸ر سال ۱۸۱۹ء تا ۱۸۴۶ء تک حکومت کی۔رنجیت سنگھ سکھ سلطنت کا حکمران اعلیٰ تھا گلاب سنگھ اسی سلطنت کا ایک سپاہی تھا۔رنجیت سنگھ گلاب سنگھ کی خدمت سے خوش ہوا اور ریاست کے ایک صوبے جموں پر اس کو گورنر مقرر کیا۔اس وقت کشمیر پر سکھوں کی طرف سے امام الدین گورنر مقرر تھا اور ہندوستان میں انگریز حکومت اپنے پر پھیلانے میں مصروف تھی اور گلاب سنگھ خفیہ طور پر انگریزوں سے ساز باز کر چکا تھا۔گلاب سنگھ نے ہی لاہور دربار پر قبضہ کرانے میں انگریزوں کی مدد کی، اس وقت ریاست کی سرکاری زبان فارسی تھی۔اس کے بعد ڈوگرہ راجہ گلاب سنگھ نے ۱۸۴۶ء میں انگریزوں سے کشمیر کی حسین وادی ۷۵ر لاکھ روپے کے عوض خرید لی۔اسی سودے بازی پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ:

دہکاں کشت وجود خیاباں فروختند
قومیں فروختند وچہ ارزاں فروختند

کشمیر پر قبضے کے بعد ریاست کی دفتری زبان فارسی رہی اور ڈوگرہ راجہ نے ڈوگری زبان کو ریاست کی سرکاری زبان کا درجہ دینے کی کافی کوششیں کیں۔لیکن ان کی کوششیں ناکام ہوئی کیونکہ اس زبان میں وہ اہلیت نہیں تھی جو سرکاری زبان کے لیے ضروری ہے۔ڈوگرہ زبان بول چال کی زبان سے زیادہ مقبولیت حاصل نہیں کر پائی۔ کیونکہ ڈوگرہ زبان کا رسم الخط مہاجنی سے ملتا جلتا ہے اور کافی مشکل بھی ہے۔اگرچہ اس زبان کو آسان بنانے کی کوشش بھی کی گئی لیکن یہ تعلیمی اور سرکاری زبان نہیں بن سکی۔ڈوگری زبان کے ایک شاعر کے گیت سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے لیکن لکھے کبھی نہیں گئے۔یہی وجہ ہے کہ اس میں ڈوگری کا سرمایہ ادب محفوظ نہ ہوسکا۔

اگرچہ کشمیری زبان کا سرمایہ ادب موجود اور محفوظ تھا، تاہم یہ علاقائی زبان تھی یہاں کے لوگوں نے ایک صدی سے زیادہ عرصے سے اپنے تمناؤں اور خوابوں کے اظہار کو وسیلہ بنایا تھا۔اس وادی کے لوگ جنہیں قدرت نے شاعرانہ ذوق بھی بخشا ہے قدرت کی ضیافتوں کی دل کھول کر داد دیتے ہیں۔چناچہ کشمیر کے شاعروں نے اپنے وطن کی رعنائیوں اور حب الوطنی کے گیت جس کثرت سے گائے ہیں شاید ہی دنیا کی اور زبان اس سلسلے میں اس کا مقابلہ کر سکے لیکن اس میں کشمیری زبان کے شاعروں کا بھی حصّہ ہے اور فارسی اور اردو شاعروں کا بھی۔

۱۸۷۵ء کی جنگ آزادی بھی جموں وکشمیر میں اردو کی ترویج کا اہم سبب بن گئی۔انگریزوں نے تحریک

آزادی کو ناکام کرنے کے لیے گلاب سنگھ سے فوجی امداد طلب کی۔گلاب سنگھ خود اگر چہ حکومت کے کاموں سے دستبردار ہو چکا تھا۔پھر بھی انہوں نے انگریزوں کی مدد کے لیے ڈوگرہ فوج کو دہلی روانہ کیا۔جب یہ جنگ ختم ہوئی تو یہ ڈوگرہ فوج ایک عرصہ تک دہلی میں رُکی رہی جہاں انہیں مزید تربیت دی گئی۔یہ فون اس دوران ایسے لوگوں سے ملتی رہی جن کی زبان اردو اور پنجابی تھی اور اس طرح سے یہ فوج ٹوٹی پھوٹی اردو بولنے لگی۔جب یہ فوج واپس ریاست میں آئی تو اپنے ساتھ اردو کے چند الفاظ لائی اور ان الفاظ کی مدد سے کشمیر میں اردو کے رائج ہونے میں بڑی مدد ملی۔

ریاست جموں وکشمیر میں اردو کے فروغ اور ترقی کے سلسلے میں کئی اور عوامل بھی شامل رہے ہیں جن میں محرم کی مجلسوں کا بھی رول رہا ہے۔ان مجلسوں میں لکھنؤ سے ذاکر بلوائے جاتے تھے اور ذاکروں سے ریاست کے لوگ لکھنوی لب ولہجہ میں مراثی اور سلام سنتے تھے۔ذاکروں کا یہ انداز بیان سننے والوں کو متاثر کرتا تھا اور متعدد مرثیوں کے ان گنت مصرعے عوام کی زبانوں پر ہوتے تھے۔ڈوگرہ حکمرانوں نے اپنے دربار کی شان بڑھانے کے لیے دہلی سے نقیب بلوائے جن کو ملازمتیں دی گئیں۔یہ نقیب ڈوگرہ دربار میں مغلیہ دربار کے روایتی انداز میں مہاراجہ کی آمد کا اعلان کرتے تھے۔

حبیب کیفوی نے اپنی مشہور تصنیف ''کشمیر میں اردو'' میں سفر نامہ بخارا کو سرکاری طور پر ریاست میں اردو کی پہلی تحریر قرار دیا ہے۔واقع یوں ہے کہ مہاراجہ رنبیر سنگھ نے چودھری شیر سنگھ کو ۱۸۷۳ء میں سیاسی تجارتی تعلقات کے امکان کا جائزہ لینے کے لیے بخارا بھیجا تھا۔شیر سنگھ نے واپس آکر ۱۸۷۵ء میں اردو میں ۱۸۰ صفحات پر مشتمل سفر کے نتائج مرتب کر کے پیش کئے جس کو کشمیر میں اردو کی پہلی تحریر کہا جاتا ہے۔چونکہ ماضی کے راجہ مہاراجہ عوام کو زیور تعلیم سے آراستہ کرنے کے حق میں نہیں ہوتے تھے اس باعث گلاب سنگھ کے دور میں تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں تھا لیکن رنبیر سنگھ کے زمانے میں جب ابتدائی برسوں کی مشکلات کے بعد حکومت میں استحکام پیدا ہوا تو مہاراجہ رنبیر سنگھ کو علم وادب کی اشاعت کا خیال آیا۔رنبیر سنگھ نے جموں میں ایک دارالترجمہ قائم کیا اس ادارے سے سنسکرت اور فارسی کی کتابیں شائع ہوتی تھیں اور بہت سے مسودے اردو میں ترجمہ ہوئے۔

اردو کی کتابیں جو عربی میں یا دوسری زبانوں سے منتقل ہوئی تھیں ان کو باضابطہ طور پر شائع کیا جاتا تھا۔اس عہد کے کئی مسوادات ملتے ہیں جن میں سے اکثر انگریزی ، فارسی اور عربی سے اردو میں ترجمہ ہوئے ہیں۔ان مسودات کی تیاری میں غلام غوث ، پنڈت بخشی رام، مولوی فضل الدین، لالہ بسنت رائے وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ہندوستان اور پنجاب کے بعض علمی گھرانے بھی ریاست میں آکر آباد ہوئے اوران کا حکومت کے کاموں میں

عمل بڑا تو انہوں نے عوام کی تعلیم کی طرف بھی توجہ مبذول کیا اس طرح ریاست میں پارٹ شالہ اور مکتب کھولے گئے ۔ پنجاب کے مکتبوں کے طرز اردو اور فارسی نصاب میں شامل کیا گیا۔ اس کے بعد پرتاب سنگھ کے دور میں وادیِ کشمیر میں بھی اسکولوں اور کالجوں کا قیام عمل میں آیا اور استاد باہر سے بلوائے جانے لگے۔ اردو سے کشمیریوں کی جذباتی دلچسپی کے باعث تعلیم کے عام ہونے کے ساتھ ہی اس کی مقبولیت میں اضافہ ہوا۔ ۱۸۵۸ء میں ''احمدی پریس'' قائم ہوا جس میں فارسی، سنسکرت اور ڈوگری زبان کی کتابیں اور دفتروں کے فارم طبع ہوتے تھے۔ اس کے بعد ''وکرم بلاس'' کے نام سے ایک سرکاری مطبع قائم ہوا۔ ریاست میں گورنمنٹ پریس کے علاوہ جموں اور سری نگر میں کئی پریس قائم ہونے سے اردو کی اشاعت عام ہونے لگی تھے۔ جموں میں ''پبلک پرنٹنگ پریس''، ''دیوان پریس''، ''اونکار پریس'' اور سری نگر میں ''مارتنڈ پریس'' قائم ہوا۔ جن میں درسی علمی و ادبی کتابیں بھی چھپنے لگیں۔ ۱۹۴۰ء میں مسٹر اے آر ساغر اور پروفیسر اسحاق قریشی نے ''جاوید پریس'' قائم کیا۔ اس پریس میں اخبار بھی چھپتے اور درسی کتابیں بھی شائع ہوتی تھیں۔ ۱۸۷۲ء میں معروف صحافی و لیڈر ہر گوپال خستہ اپنی مشہور کتاب ''گلدستہ کشمیر'' میں لکھتے ہیں:

''یہ کتاب کشمیر میں اردو نثر کی پہلی تاریخ ہے''

کشمیر میں اردو کی ترویج کے سلسلے میں اخبارات نے بھی اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس طرح آہستہ آہستہ اردو صحافت نے بھی زور پکڑا ۱۹۲۴/ء سے باقاعدہ طور اردو صحافت کا آغاز ہوتا ہے۔ ملک راج صراف نے ''رنبیر'' کے نام سے بااثر اخبار شائع کیا۔ اس لحاظ سے ملک راج صراف ریاست جموں وکشمیر میں اردو صحافت کے باوٗ آدم ہیں۔ صحافتی میدان میں ان کی قابل قدر خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ۱۹۴۷ء تک جموں سے کئی روزنامچے اور درجنوں ہفتہ وار اخبار شائع ہونے لگے تھے۔

۱۹۳۵ء کے بعد تو کشمیر کے نظام میں بڑی اصلاحیں ہوئیں۔ اضلاع میں بھی ہائی اسکول کھولے گئے اور تعلیم کے عام ہونے سے تعلیم کی برکات سے عوام کا سیاسی شعور بھی بلند ہوا۔ اسی سلسلے کی ایک کڑی یہ بھی تھی کہ حکومت سے تقاضہ کر کے کالجوں میں اردو ادب کے فروغ کے لیے ادبی انجمنوں کا قیام بھی عمل میں آیا اور متعدد کالجوں نے اردو رسالے جاری کیے۔ ظاہر ہے کہ اسکولوں اور کالجوں میں اردو کی تعلیم و تدریس کے عام ہونے کے ساتھ ہی شعر و ادب کا ذوق بھی خاصا عام ہوا۔ بہت سے لوگ نظموں اور غزلوں کی صورت میں طبع آزمائی کرنے لگے۔ چناچہ شعری محفلوں اور چھوٹے موٹے مشاعروں کا انعقاد بھی شروع ہوا۔ منشی محمد الدین فوق نے ریاست میں شعری محفلوں

کا سلسلہ عام کر کے اردو کی مقبولیت کو زیادہ یقینی بنایا ہے۔ کشمیر میں داخلی طور پر اردو کے فروغ اور ترویج کا ماحول متذکرہ عوامل کے سبب ہو ہی رہا تھا کہ تعلیم کو کشمیری نوجوانوں کو ریاست سے باہر علی گڑھ، دہلی، پنجاب، کانپور اور بعض دوسرے مراکز میں جا کر تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا۔ جب یہ طلباء تعلیم حاصل کر کے واپس کشمیر آئے تو نہایت عمدہ لب و لہجے میں معیاری اردو بولتے اور اس طرح اردو کو مزید مقبول ہونے کا موقع ملا۔ ان مصروفیات سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ اردو زبان جو برس ہا برس سے کشمیری اور فارسی زبان کے غلبے کے سبب بہت زیادہ پنپ نہیں پائی تھی ۔ بیسویں صدی کے نصف آخر میں بڑی تیزی سے مقبول ہوئی اور کشمیر میں محض اردو زبان ہی نہیں بلکہ اردو ادب کو بھی اپنی بنیادیں مستحکم کرنے کا موقع ملا۔ یہاں تقریباً نصف صدی میں ان گنت شعراء، فکشن نگار اور انشاء پرداز ادبی افق پر صرف نمودار ہی نہیں ہوئے بلکہ پورے ادبی منظر نامے میں انہوں نے اپنی حیثیت اور اہمیت تسلیم کرالی ہے۔

اردو کو ڈوگرہ حکمرانوں کے دور میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی یہی وجہ ہے کہ ۱۸۸۸ء میں مہاراجہ پرتاب سنگھ نے اس زبان کو سرکاری زبان کا درجہ بھی دیا۔ ملک کی واحد ریاست جموں و کشمیر ہی ہے جہاں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ زبان ہمیشہ اہل ریاست کے لیے توجہ کا مرکز رہی ہے۔ ربط و اختلاط کے ساتھ ساتھ ہی اردو زبان تخلیقی سطح پر بھی ابھر کر سامنے آئی ۔ ریاست میں اردو کے کئی نامور شاعر اور ادیب پیدا ہوئے ہیں، جنہیں نہ صرف غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی بلکہ ادبی دنیا میں ان کی تخلیقات کو اہل علم نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ جموں کشمیر میں یوں تو اردو افسانے اور ناول کی ابتداء پریم ناتھ پردیسی کی تخلیقات سے ہوتی ہے البتہ یہاں کی افسانہ نگاری اور ناول نگاری کی تاریخ نامکمل رہے گی جب تک کہ کرشن چندر اور رامانند ساگر کا ذکر نہیں کیا جائے گا۔ پریم ناتھ پردیسی کا سفر اس وقت شروع ہوتا ہے جب ریاستی عوام مطلق العنان کی آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ پریم ناتھ پردیسی کے ہم عصر کہانیاں لکھنے والوں میں قدرت اللہ شہاب، پریم ناتھ در، سالک رام سالک، رامانند ساگر، کشمیری لال ذاکر، نرسنگھ داس نرگس، ٹھاکر پونچھی اور محمد دین فوق وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ سالک رام سالک نے اگر ایک طرف ''داستانِ جگت روپ'' اور ''تحفۂ سالک'' تصنیف کیں۔ وہیں دوسری طرف محمد دین فوق نے ''ناصح مشفق''، ''غریب الدیار'' اور ''نیم حکیم'' جیسے ناول لکھ کر ریاست میں اردو ناول نگاری کی بنیاد بھی ڈالی۔

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا اور اس تقسیم کے ساتھ ہی ریاست بھی بٹ گئی ۔ بہت سے افسانہ نگار، ناول

نگاراورشاعر پاکستان چلے گئے اور کچھ ملک کی دیگر ریاستوں میں رچ بس گئے ۔کئی قلم کاروں کے سوتے خشک ہو گئے، تقسیم وطن کے ساتھ ہی کچھ عرصہ تک یہاں کی ادبی فضاء پر جمود و تعطل طاری رہا۔رفتہ رفتہ حالات سدھرے تو یہاں کے ادبی افق پر کچھ نئے چہرے ابھرے جنہوں نے اردو ادب کو ایک نئی جہت دی۔ان میں علی محمد لون، حامدی کاشمیری، تیج بہادر بھان، پشکر ناتھ، برج پریمی، نور شاہ، محمد یوسف ٹینگ، جگ دیش بھارتی، حسن سالو، رام کمار ابرول، ویدراہی اور شبنم قیوم وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔مولوی محمد الدین فوق سے پروفیسر حامدی کاشمیری تک اور پروفیسر حامدی کاشمیری سے شبنم قیوم تک بے شمار ریاستی فن کاروں نے اردو ادب کی اس صنف لازوال کو تقویت بخشی ہے۔شبنم قیوم کی ذات میں کئی شخصیتیں پوشیدہ ہیں۔وہ افسانہ نگار بھی اور ناول نگار بھی۔شبنم قیوم نے ناول نگاری کے فن میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا ہے۔

ریاست جموں وکشمیر کے بڑے بڑے ادباء میں سے شبنم قیوم کا نام اہمیت کا حامل ہے۔انہوں نے اردو زبان وادب کو قابل تحسین خدمات سے نوازا ہے۔شبنم قیوم سرزمین کشمیر کے ایک بلند پایہ ناول نگار، افسانہ نگار اور تاریخ دان ہیں، ان کا علمی وادبی سفر آج بھی جاری ہے۔شبنم قیوم ایسا فن کار نہیں جس کو یہ فن ورثے میں ملا ہو لیکن اس کے خاندان میں ادیب، شاعر، صحافی اور ڈرامانگار سب ہی موجود ہیں۔اپنے پرائے لکھنے والوں کو اس کی تعلیم اور تحریر دیکھ کر یقیناً حیرت ہوتی ہے اور یہی حیرت ان کو اس کا رقیب بھی بناتی ہے۔شبنم قیوم کی اپنی علیحدہ دنیا ہے جہاں وہ بالکل تنہا ہمارے لیے کہانیاں لکھتے خود ادبی رقیبوں کے لیے کہانی بن جاتا ہے۔وہ فن کار پیدا ہوا ہے اس کا اعتراف ملک کے کئی نقادوں نے کیا ہے سید احتشام حسین نے بھی اس کے کمال فن کا اعتراف اپنے ایک خط میں کیا ہے۔شبنم قیوم کی زندگی بہت سارے نشیب وفراز سے گزری ہے حیات کی پیچ در پیچ اور دشوار گزار راہوں کو اسے طے کرنا پڑا۔کبھی اس وسیع صحرائے حیات میں مدتوں تلاش آب دوانہ میں بھٹکتے رہے اور کبھی جو منزل پر پہنچے تو ان کی منزل اور آگے بڑھ گئی۔زندگی کی انتھک کٹھن اور جاں گسل ساعتوں سے گزر کر کتنے ہی سخت لمحات کے کڑے کاٹ دئے۔آفات وصدمات کی بھیانک موجوں کا مقابلہ کر کے تشکیک کی ان گنت تاریک گھڑیوں میں گر کر آزمائشات کے نہ جانے کتنے مرحلوں کو طے کر لیا۔

شبنم قیوم بڑا حقیقت پسند ہے، زندگی کے حقائق سے آنکھیں چرانا خواہ وہ کتنے ہی تلخ کیوں نہ ہوں اس کی فطرت سے بعید ہے۔زندگی کے متعلق اس کا نظریہ بڑا صالح اور صحت مندانہ ہے اور اسی بناء اس کے یہاں خالی رومان اور خیالی عشق کے ڈھکوسلے جو مریضانہ ذہنیت کو جنم دیتے ہیں، مطلق نہیں۔ان کی کہانیاں دیکھئے تو ان میں

انفرادیت کی جھلکیاں جگہ جگہ نظر آئیں گی اور یہ بات کسی ادیب کے فن کے لیے استحکام کی دلیل رکھتی ہے۔اس کی فطرت کا تیکھا پن،مزاج کی وارفتگی اور طبیعت کا بانکپن ان کی شخصیت کے ایسے جوہر ہیں جو اپنی پختگی کی جلا کر کہانی کی تقلیدی فضا کو تاریکی میں بھی بڑی آب وتاب دکھاتے ہیں اوراس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ روایت اور انفرادیت کا اس کے ہاں متناسب ومتوازن امتزاج پایا جاتا ہے۔اسے ہم جنون اورشعور کی صحیح آمیزش بھی کہہ سکتے ہیں۔انہوں نے ہر کہانی کے بنیادی کردار میں ایسی خصوصت ابھاری ہے کہ پڑھنے والا چونکے بغیر رہ نہیں سکتا۔

(ب) شبنم قیوم کے سوانحی کوائف

(ا) حالات زندگی

آباواجداد

شبنم قیوم کے آباواجداد کا تعلق خالص کشمیر سے ہے۔ضلع بڈگام سے ۸رکلومیٹر دور پشکر نامی گاؤں میں ایک خانقاہ لطف الدینؒ ریشی کی ہے جو اس خاندان کے ایک بڑے صوفی اور عالم دین تھے۔اس خانقاہ پر لوگ عقیدت کے پھول چڑھانے جوک در جوک آتے ہیں اور روحانی فیض حاصل کرتے ہیں۔دسمبر کے مہینے میں تین دن اس خانقاہ پر عرس منایا جاتا ہے،جس میں پورے کشمیر کے لوگ شمولیت اختیار کرتے ہیں۔شبنم قیوم اسی ریشی خاندان کے چشم و چراغ ہیں۔محمد دین فوق اپنی کتاب'' تاریخ اقوام کشمیر'' میں اس خاندان کی وجہ تسمیہ خاندانی حوالوں سے یوں بیان کرتے ہیں۔

> ''کشمیر میں ریشی نامہ''ایک بہت پرانی تصنیف ہے۔اس میں کشمیر کے تمام مشہور ریشی صاحبان کے حالات اور ریشی کی وجہ تسمیہ درج ہے۔ریشی نامہ اور کشمیر کی مختلف تواریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ریشی اصل لفظ''رکھی'' ہے کہ'' دراصل اح'، سنسکرت تارک دنیا ومشغول بہ یاد خدا اگو یز بجائے''رکھی'' لفظ ''ریشی''درزبان کشمیری متعمل است''تاریخ اعظمیٰ''،میں اس کی تعریف حسب ذیل ہے۔''ریشی کسے را گویند کہ از زمرہ زایداں دعا بداں دریافت سخت وصلب تر باشند۔ وخود دراز اولا ازدواج

فارغ دارد۔ دست از جمیع آرزو ہا و ہوا و ہرص بردار چہ جائے ملک و مال۔
یہی وجہ کہ پرانے زمانے میں اُن کا نام ''رکھی'' تھا۔اور جب اس فرقے
کے لوگوں نے اسلام قبول کیا تو رکھی کے بجائے ریشی کہلانے لگے۔اس
فرقے کے زیادہ تر تعداد جنوبی کشمیر یعنی سلام آباد میں ہے۔اس ضلع کی
تحصیل کُلگام میں ریشی فرقہ کی کثیر تعداد زراعت پیشہ ہے۔'' (۲)

عبدالستار ریشی جو رشتے میں شبنم قیوم کے پردادا تھے ضلع بڈگام کے بڑے زمینداروں میں شمار ہوتے تھے۔ان کے یہاں ایک ہی اولاد ہوئی تھی جن کا نام محمد سبحان ریشی رکھا گیا۔جو رشتے میں شبنم قیوم کے دادا تھے۔محمد سبحان ریشی کو جائیداد وراثت میں ملی تھی۔ جائیداد کا کوئی اور شریک نہیں تھا۔لہذا محمد سبحان بھی بڈگام کے بڑے زمینداروں میں سے ایک سمجھے جاتے تھے۔محمد سبحان ریشی کا عقد ایک معزز گھرانے میں ہوا۔آپ کے یہاں ایک نرینہ اولاد ہوئی جس کا نام عبدالرزاق رکھا گیا۔

عبدالرزاق ریشی نے ضلع بڈگام ترک کیا اور سرینگر آکر سکونت اختیار کی۔آپ نہایت شریف، نیک سیرت،نماز کے پابند اور متقی و پرہیز گار انسان تھے۔عبدالرزاق ریشی کی شادی سرینگر کے صوفی خاندان میں عبدالرحیم صوفی کی بیٹی مسماۃ فیضی کے ساتھ ہوئی۔آپ عرصہ دراز تک عبدالرحیم صوفی کے گھر خانہ کے داماد کے طور پر رہے اس طرح عبدالرزاق ریشی بھی صوفی کہلانے لگے۔سرینگر کے درگجن ڈلگیٹ میں عبدالرحیم صوفی نے (Milk Dairy) کھول رکھی تھی اور اس کی ساری ذمہ داری عبدالرزاق ریشی کے سر تھی۔عبدالرحیم صوفی کی اولاد اس حالات میں نہ تھی کہ کام کاج سنبھال سکے۔اس لئے عبدالرزاق ریشی اپنے سسر کا سہارا بن گئے۔لیکن ایسا بھی وقت آگیا صوفی خاندان نے عبدالرزاق ریشی کے ساتھ سوتیلوں جیسا سلوک کیا اور عبدالرزاق کو وہاں سے کوچ کرنا پڑا۔اس ستم ظریفی میں حاجی غلام احمد وانی (شبنم قیوم کے خالو) کے گھر پناہ لی۔غلام احمد وانی کا گھر بوچھوارہ میں تھا اور یہاں قیام کے دوران انہوں نے عبدالصمد وانی کا پرانا گھر خرید لیا۔اور اسی مکان میں مقیم رہے۔عبدالرزاق ریشی کے یہاں کل ۹ ر بچے ہوئے جن میں پانچ بیٹیاں اور چار بیٹے تھے شبنم قیوم اپنے والدین کی دوسری اولاد ہے اس کے علاوہ ان کے تین بیٹے ہیں جن کے نام اس طرح ہیں عبدالمجید ریشی،نزیر احمد ریشی اور مسعود احمد ریشی۔آپ کی بڑی بیٹی کا نام مہتاب ریشی ہے اس کے علاوہ چار بیٹیاں ہیں جن کے نام نصارہ ریشی،سلیمہ ریشی،حلیمہ ریشی اور فریدہ ریشی۔شبنم قیوم اپنی بہن مہتاب ریشی سے چھوٹے اور دوسرے بھائی بہنوں سے عمر میں بڑے ہیں۔

سرینگر کے درگجن علاقے میں مکان خریدنے کے بعد عبدالرزاق ریشی نے گلمرگ میں ڈائری یونٹ قایم کیا۔ یہاں ان کا کاروبار ابھی ابتدائی مراحل ہی میں تھا کہ کشمیر پر ۱۹۴۷ء میں پاکستانی قبائلوں نے حملہ کر دیا اور یوں ان کے ڈائری کے کاروبار میں زوال آ گیا۔ ریاست کے حالات جب کسی حد تک پر امن ہوئے تو گورنمنٹ ٹرانسپوٹ کا محکمہ وجود میں آ گیا۔ اور عبدالرزاق قریشی نے اس محکمہ میں ملازمت کر لی۔

شبنم قیوم کے والد عبدالرزاق قریشی ۱۹۹۰ء میں وفات پا گئے اور والدہ محترمہ مساۃ فیضی نے ۲۰۰۶ء میں اس دنیائے فانی سے پردہ کیا۔ آپ کے والدین تعلیمی لحاظ سے ناخواندہ تھے لیکن شرافت ،اخلاق اور دیگر انسانی قدریں ان میں بدرجہ اتم موجود تھیں اور یہ سب خوبیاں شبنم قیوم کی شخصیت میں بھی ملتی ہیں۔

پیدائش

آپ کا اصلی نام عبدالقیوم اور قلمی نام شبنم قیوم ہے۔ ادب کے وسیع سمندر میں آپ کو لوگ شبنم قیوم کے نام سے ہی جانتے ہے، قلمی نام شبنم قیوم رکھنے کی وجہ وہ خود بتاتے ہیں:

> ''بیگم حسین شبنم نامی ایک خاتون نے پارٹیشن کے دوران قتل وغارت لوٹ اور خواتین کی آبروریزی سے متعلق چشم دید حالات اور واقعات کہانیوں کی صورت میں ایک کتاب میں شائع کی۔ ان کے اس مجموعے کا نام ''بہن کسی سے نہ کہنا'' تھا۔ اس کتاب نے مجھے اس قدر متاثر کیا کہ میں نے شبنم قیوم کو اپنے نام کے ساتھ جوڑ کر اس کو یادگار کے طور پر اپنے ساتھ شامل کر لیا۔''
>
> (۳)

شبنم قیوم کی پیدائش ۱۲ر فروری ۱۹۳۸ء کو درگجن ڈلگیٹ کے دلکش علاقے میں ہوئی۔ صوبہ کشمیر میں ڈلگیٹ وہ ذرخیز علاقہ ہے۔ جہاں بڑی تعداد میں شعراء اور ادباء نے جنم لیا۔ آپ کے نام کے حوالے سے پروفیسر عبدالقادر سروری نے ایک ملاقات کے دوران ان سے پوچھا آپ کا نام سن کر یا پڑھ کر لڑکی کا تصور آتا ہے۔ جس کے جواب میں وہ کہتے ہیں:

> ''شبنم واقعی ایک لڑکی ہے جس کو میں نے اپنے نام کے ساتھ جوڑا ہے کیونکہ اس لڑکی نے مجھے ادیب بنایا۔ ان کی تخلیقات نے مجھے اتنا متاثر کیا ہے کہ میں نے بھی افسانے لکھنے شروع کیے۔ میرا یہ ماننا ہے کہ اس لڑکی نے

مجھے افسانہ نگار بنایا'' (۴)

تعلیم

شبنم قیوم نے ابتدائی تعلیم گونمنٹ پرائمری اسکول بوچھوارہ میں (ڈلگیٹ سرینگر) سے حاصل کی۔انہوں نے ۱۹۴۴ء میں پہلی جماعت میں داخلہ لیا اور پانچویں تک اسی اسکول سے تعلیم حاصل کی۔چھٹی جماعت میں ایس۔پی اسکول امیرہ کدل سرینگر جو بڈگام سے نزدیک ہے۔وہاں داخلہ حاصل کیا۔آپ آٹھویں جماعت میں تھے۔کہ آپ کو سائیکل کا شوق پیدا ہوا۔سائیکل چلانے کے دوران آپ کو حادثہ پیش آیا جس سے آپ کی حالت کافی خراب ہوئی۔ابتدائی جانچ اور ایکسرے کے بعد ڈاکٹروں نے بتایا کہ آپ کی بائیں طرف کی پسلی ٹوٹ گئی ہے۔آپ کافی عرصے تک زیر علاج رہے۔والدین کی مالی حالت خراب ہونے کی وجہ سے یہ زمانہ آپ کے لئے نازک رہا۔اس حادثہ کے بعد آپ قریباً پانچ سال تک اسکول جانے کے قابل نہ رہے۔اس دوران اپنے محلے کے ایک استادعلی مصدر جو اردو اور فارسی کے نامور استاد تھے ان سے استفادہ کیا اور ان سے اردو اور فارسی سیکھتے رہے۔۱۹۵۱ء میں جامعہ علی گڑھ کے اردو بورڈ سے ادیب کا امتحان پاس کیا۔آپ کو تقریباً ساتویں جماعت میں نئی کہانیاں پڑھنے کا شوق ہوا۔آپ اپنے ماموں صوفی گلام محی الدین (سابق مدیر شہ میر) کے اور صوفی غلام محمد (سابق مدیر روزنامہ سرینگر ٹائمنر) کے گھر جا کر قصے کہانیوں کی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔یہی وہ غیر رسمی تعلیم ہے جو شبنم قیوم نے حاصل کی اور جس کی بنیاد پر آپ نے ادب میں شہرت عام حاصل کرلیا۔

ملازمت

شبنم قیوم نے ۱۹۵۲ء میں اپنی ملازمت کا آغاز کیا اور جموں کشمیر کے نائب وزیر اعظم بخشی غلام محمد کے ہاں ملازمت اختیار کی۔ملازمت کا یہ رشتہ زیادہ دیر تک نہ رہا اور ایک سال تین ماہ کے بعد سیاست میں تبدیلی کی وجہ سے یہ ملازمت چھوڑ دی۔ملازمت ترک کرنے کے بعد شبنم قیوم کو خاصی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔دو سال بے کاری میں گزارنے کے بعد کرانے کی دکان کھولی۔دکان کی آمدانی سے بہ مشکل گزارا ہوتا تھا۔اس کے بعد بادامی باغ کنٹونمنٹ میں نوکری کے لئے کوشش کی لیکن ناکام رہے۔محکمہ جنگلات کی طرف سے کوہ سلیمان میں ایک روپیہ روزانہ کے حساب سے چند روز مزدوری کی۔ یہاں پر آپ کو درخت لگانے کا کام دیا گیا لیکن یہ کام بھی راس نہ آیا۔۔۱۹۵۷ء میں علی شاہ مصدر کی سفارش پر محکمہ زراعت میں ڈیلی ویجر کی ملازمت اختیار کی یہاں پر آپ کو ۳۰

روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی۔اس کے بعد آپ نے محکمہ زراعت کا یک سالہ ٹریننگ کورس کیا۔ٹریننگ سے فارغ ہونے کے بعد آپ کی پوسٹنگ ضلع اننت ناگ (اسلام آباد) کی نرسری میں کردی گئی۔کچھ عرصہ راج باغ سرینگر میں کام کیا۔پھر آپ کوراج باغ نرسری سے تبدیل کرکے محکمہ زراعت کے شعبہ انٹومالوجی کی لیبارٹری میں بحثیت لیبارٹی اٹینڈینٹ تعینات کیا گیا۔اس لیبارٹری میں کیڑے مکوڑوں پر ریسرچ ہوتی تھی۔شبنم قیوم نے بڑی محنت کے ساتھ یہاں پر کام کیا۔چند سالوں کے بعد آپ کو ایگر کلچر ٹریننگ کے لئے منتخب کیا گیا۔۱۹۹۶ء میں ٹریننگ سے فارغ ہونے کے بعد انہیں لیبارٹری اسسٹنٹ کے عہدے سے نوازا گیا۔اس عہدے پر آپ کو شروع میں ۶۰۰۰ روپیہ ماہانہ تنخواہ ملتی تھی جو سبکدوش ہونے تک ۱۲۰۰۰/روپیہ ماہانہ ہوئی۔آپ شروع میں مقامی اخبارات اور رسائل میں روزمرہ حالات پر پُرمغز مضامین اور مدلل تبصرے لکھا کرتے تھے۔آپ جموں وکشمیر کلچرل اکیڈمی آف آرٹ اینڈ لنگویجز سے بھی وابستہ رہے۔ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد آپ صحافت کے پیشے سے جڑ گئے۔۲۰۰۳ء میں اخبار سرینگر ٹائمز کی ملازمت ترک کی اور ۲۰۰۳ء میں ہی اپنا ہفت روزہ اخبار ''قومی وقار'' شائع کیا۔آپ ایک نڈر اور بے باک صحافی ہیں۔جس کا اندازہ درج ذیل اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے جو ایک اداریہ سے ماخوذ ہے:

> ''شیخ عبداللہ جن کی رگوں میں پنڈت جواہر لال نہرو کا خون دوڑ رہا تھا اور وہ اس خون کا پاس ولحاظ کرکے نہرو کے جھانسے میں نہ آتے ،نیشنلزم کا لباس پہن کر ہندوفرقہ پرست نہ بن گئے ہوتے ہندوستان کا دوست اور کشمیریوں کا دشمن نہ بن گئے ہوتے تو یقیناً تاریخ آج بالکل مختلف ہوتی ،کشمیر کا کوئی مسئلہ نہیں ہوتا۔پڑوسی ممالک کا اس ریاست پر قبضہ نہیں ہوتا یہ سارا کچھ دغابازی کا شاخسانہ ہے۔'' (۵)

''قومی وقار'' کشمیریوں کے جذبات کی عکاسی کرتے ہوئے تسلسل کے ساتھ آج بھی شائع ہورہا ہے۔

ازدواجی زندگی

شبنم قیوم جب ۲۷/سال کے ہوئے۔تو ان کے ماں باپ نے ان کی شادی سرینگر کے بربرشاہ علاقے میں ایک عزت دار اور معزز گھرانے میں حبیب اللہ بھٹ کی صاحبزادی شہزادہ بیگم سے کرائی۔شادی کے فوراً بعد شہزادہ بیگم کا نام تبدیل ہوگیا اور وہ شہزادی قیوم کہلانے لگی۔شہزادہ قیوم میں وہ سارے خوبیاں تھے جو ایک مسلمان لڑکی میں ہونے چاہے۔ان کی بیوی کبھی شبنم قیوم کے اس میدان میں دیوار نہیں بنی بلکہ شبنم قیوم خود ان سے کچھ نہ

کچھ سیکھتے جاتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ شبنم قیوم ادب کی دنیا میں ترقی کرتے گئے۔شادی کے ڈیڑھ برس بعد شبنم قیوم کے یہاں ایک لڑکی پیدا ہوئی جس کا نام شبنم قیوم نے اپنے نام کی نسبت شگفتہ قیوم رکھا۔ایک سال کے بعد ایک اور لڑکی ہوئی جو بچپن میں ہی وفات پا گئی اس بچی کو پیار سے بے بی پکارا جاتا تھا۔موصوف نے انٹرویو کے دوران بے بی کے انتقال کے بارے میں پوچھا تو وہ یوں کہتے ہیں:

''دہلی عارض ڈیسٹ سے ''کشمیر نمبر'' نکل رہا تھا۔وہ لوگ یہاں ایک ہوٹل میں رکے تھے انہوں نے میری مدد مانگی اور مجھے اعزازیہ ایڈیٹر رکھا اور مجھے مواد حاصل کرنے اور ترتیب دینے کا کام سونپا۔میں وہی مواد لے کر دہلی گیا ہوا تھا، وہاں سے جب میں واپس آیا۔میں نے بچوں کے لیے کپڑے لائے اس بچی کے لیے خاص تحفہ لایا جب میں گھر پہنچا تو وہاں سناٹا دیکھا۔ میں پوچھنے لگا کہ یہاں کیا بات ہے؟ تو کسی نے کچھ کہا ہی نہیں البتہ جب میں نے اپنا بکس کھولا تو گھر کے اندر سے رونے کی چیخیں نکلی۔ میں نے کہا کیا بات ہے تو انہوں نے کہا کہ بے بی وفات کر گئی۔'' (۶)

شبنم قیوم کی بیٹی شگفتہ قیوم نے بی۔اے اور بی لب کی ڈگریاں یونیورسٹی آف کشمیر سے حاصل کیں اور محکمہ آرکایوز میں لائبیرین کی ملازمت حاصل کی۔ان کی شادی میر جمشید احمد سے ہوئی جو محکمہ آرکیولوجی میں ملازم ہیں۔اس کے دو سال بعد ایک اور بچے نے شبنم قیوم کے گھر میں جنم لیا جس کا نام بھی آپ نے اپنے نام کی نسبت سے شاہنواز قیوم رکھا۔شہنواز قیوم نے بی۔اے تک تعلیم حاصل کی اور اس وقت اکاونٹ جنرل آفس میں ملازم ہیں۔ان کی شادی سویلا شاہ سے ہوئی۔ان کی تین لڑکیاں ہیں۔جن کے نام دانیہ ریشی، منکہ ریشی اور ادیہ ریشی ہیں۔یہ تینوں ویزن پبلک اسکول سرینگر میں زیر تعلیم ہیں۔

ادبی زندگی

ادبی زندگی کے میدان میں قدم رکھنے کے بارے میں شبنم قیوم یوں کہتے ہیں:

''ادب کے ساتھ دلچسپی اچانک ہوئی ہمارے گھر میں کوئی ماحول نہیں تھا ایک آفیسر عبدل العزیز بھٹ نے مجھے ایک کتاب ''بہن کسی سے نہ کہنا'' پڑھنے کو دی، جو پارٹیشن پر لکھی تھی اس نے مجھے متاثر کیا۔سچ پوچھے تو مجھے

اسی نے ادیب بنایا۔'' (۷)

شبنم قیوم نے ادبی زندگی کا آغاز ۱۸؍سال کی عمر میں کیا تھا۔شروع شروع میں افسانے اور مضامین میں طبع آزمائی کی۔جب مقامی اخبارات نے ان کے افسانوں اور مضامین کی حوصلہ افزائی کی تو شبنم قیوم کے حوصلے بلند ہوئے۔اس سلسلے میں نورشاہ لکھتے ہیں:

''ان کی پہلی کہانی اخبار کی سرخی روزنامہ ''آفتاب'' میں اس وقت شائع ہوئی تھی جب وہ ۱۸؍برس کے تھے۔'' (۸)

شبنم قیوم کے قلم نے پھر اپنا جوہر دکھایا اور وہ مسلسل لکھتے گئے۔انہوں نے اپنے افسانے ملک کے کئی نامور رسالوں میں بھیجے۔ان کی اشاعت کو لیکر انہوں نے ایک دم جہت لگا کر ۱۹۵۷ء میں ''زندگی اور موت'' کے نام سے ایک ناول لکھا۔جب اس ناول کی اشاعت ہوئی تو اس وقت ان کی عمر ۱۹؍سال اور چند ماہ کی تھی۔البتہ اس ناول کا جو موضوع ہے اس کی زبان اور اس کا پیرائیہ بیان دیکھ کر کوئی یہ تصور نہیں کر سکتا یہ ایک نوزائند ادیب اور وہ بھی کمسن کی تخلیق ہے۔''پرانے ڈگر نئے قدم'' کے بارے میں مصنف کا دعویٰ ہے،اس ناولٹ میں جو موضوع لیا گیا ہے یعنی اس ناولٹ کی جو تھیم ہے وہ ان کے مشاہدے کے ساتھ ان کے تجربے کی دین ہے۔شبنم قیوم کا ماننا ہے کہ اس ناولٹ میں جو کہانی پیش کی گئی ہے وہ اس کہانی کا خود کردار رہا ہے۔یعنی انہوں نے جن حالات و واقعات کی عکاسی کی ہے، ان حالات و واقعات سے وہ خود گزرے ہیں۔اس ناولٹ میں ریاست کے نام نہاد، ہمدرد اور شرافت کا لبادہ اوڑھے ہوئے سیاستدانوں کی زندگیوں کو موضوع بنایا گیا ہے۔یہاں شبنم قیوم نے قومی تہذیب اور اس کے وقار کو گرتے دیکھ کر ہمارے سامنے ایک ایسی عبرت انگیز تصویر پیش کی ہے جس میں صدیوں کا ملال چھپا ہوا ہے۔یہ اس طوائف الملوکی کے دور پر ایک زناٹے دار تھپڑ ہے جس میں کسی بھی شریف عورت کی عفت وعصمت محفوظ نہیں تھی۔ اگرچہ یہاں ان کا موضوع جنس ہے تاہم وہ صرف جنسی بصیرت کی عکاسی پر ہی اکتفاء نہیں کرتے ہیں۔بلکہ فن کار اپنے ہر کردار کو نفسیات کی کسوٹی پر جانچتا ہے۔اس ناول کے موضوع پر خود شبنم قیوم یوں رقم طراز ہیں کہ:

''تقسیم کے دوران مظلوم خواتین کے ساتھ اتیا چار اور زور زبردستی کے واقعات سے میرے واقعی رونگٹے کھڑے ہوگئے اور میں اس کے خلاف احتجاج کرنے لگا زبانی نہیں بلکہ تحریری۔میں نے ان ظالموں،جابروں اور کمینوں کے خلاف قلم اٹھایا جنہوں نے عورت ذات کو کمزور سمجھ کر اس کے

ساتھ جیسا چاہا برتاؤ کیا اور اسے اپنی چاہت کے لیے ہوس کا شکار بنا دیا''

(۹)

شبنم قیوم نے ۱۹۶۸ء میں ایک اور ناول ''جس دیش میں جہلم بہتا ہے'' کے نام سے لکھا ہے۔ اس ناول کا موضوع بھی کشمیر کی سیاسی، سماجی اور اقتصادی پسماندہ مفلوک الحال عوام ہے۔ اس کے بعد ''ناول پیاس'' ۱۹۶۹ء میں لکھا گیا ہے اس ناول میں ایک ہی والدین کے دو (۲) اولاد یا دو (۲) بھائیوں کے درمیان مختلف سوچ اور اپروچ متضاد نظریہ اور خیالات کے موضوع کو جگہ دی گئی ہے۔ ناول میں یہ بات واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ ایک ہی والدین کے کئی بچے مختلف طبیعت لے کر پیدا ہوتے ہیں۔ اس میں اگر چہ کوئی نیا پن نہیں کیوں کہ اس موضوع پر پہلے ہی کئی ناول اور افسانے لکھے جا چکے ہیں۔ یہ ناول لگ بھگ دوسو پچاس ۲۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔

ریاست جموں و کشمیر کی تاریخی اور سیاسی پس منظر میں لکھا گیا شبنم قیوم کا ناولٹ ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا'' ایک شہرت یافتہ ناول ہے۔ یہ ناول ریاست جموں و کشمیر کی سیاسی تاریخ کی نہ صرف ایک اہم دستاویز ہے، بلکہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں یہاں کے سیاستدانوں کا اصلی چہرہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ اس ناول کی عظمت اور شہرت کا یہ عالم ہے کہ گذشتہ چالیس سال سے یہ مسلسل شائع ہو رہا ہے۔ اب تک اس کی ریکارڑ توڑ سیل چالیس ہزار کی ہو چکی ہے۔ اس کے کئی جعلی ایڈشن بھی نکلے ہیں جن کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جا سکتا۔ ایک تاریخی اور سیاسی پس منظر میں ضبط تحریر میں لائی گئی، ۔ کہانی کی خصوصیت یہ کہ اس کے کردار زندہ جاوید ہیں اور جو کردار مرے ہیں وہ بھی اس کہانی میں زندہ ہیں اور مر کر بھی نہیں مرتے۔

شبنم قیوم نے ۲۰۱۵ء میں ناول ''پچھتاوا'' لکھا۔ یہ جنس کے موضوع پر لکھا گیا ناول ہے، اس ناول میں انٹرنیٹ، ٹی وی، سینما اور موبائل کے ذریعے پھیل رہی برائیوں پر شبنم قیوم نے بڑی بے باکی سے قلم اٹھایا ہے۔ اس ناول کی کہانی کی حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ یہ کہانی اور اس کے کردار ہم خود ہیں۔ یہ وہ کہانی ہے جس میں ہم سب شامل ہیں۔ شبنم قیوم نے صرف اردو ناول ہی نہیں بلکہ اردو افسانے اور ڈرامے بھی تحریر کیے۔ ان کا پہلا افسانہ ''اخبار کی سرخی'' روزنامہ سری نگر ٹائمز میں شائع ہوا۔ انہوں ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۷۰ء کی دہائی کے دوران متعدد ناول، افسانے اور ڈرامے تخلیق کیے۔ اس کے متعلق شبنم قیوم اپنے افسانے ''ایک زخم اور سہی'' میں لکھتے ہیں کہ:

''جہاں تک مجھے یاد ہے ۱۹۷۰ء تک میں ادب کی دنیا میں ڈوبا ہوا تھا۔

> ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۷۰ء یعنی ادبی زندگی کے بیس ۲۰ سال تک، میں نے
> تین ناولٹ، دوسو دس افسانے، بائیس ریڈیو اور آٹھ ٹی وی ڈرامے لکھے۔
> اسٹیج کے لیے صرف چند ایک ڈراما لکھ سکا۔'' (۱۰)

شبنم قیوم کے افسانوں کا پہلا مجموعہ ''ایک زخم اور سہی'' ہے جس کا پہلا ایڈیشن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوا تھا۔اس مجموعے میں کل پانچ طویل افسانے ''دسہرا کی سیتا''، ''دکھتی آنکھیں''، ''خون آگ اور دھواں''، ''جہاں انسان دفن ہے'' اور ''دیوی دیوتا'' شامل ہیں۔اس میں شامل دو افسانوں ''دکھتی آنکھیں'' اور ''جہاں انسان دفن ہے'' کو ڈرامائی روپ بھی دیا گیا ہے۔افسانہ ''جہاں انسان دفن ہے'' کو یہ شہرت بھی حاصل ہے کہ اس کا ترجمہ روسی زبان میں ہوا۔ اس افسانے کے بارے میں شبنم قیوم لکھتے ہیں کہ:

> ''جب یہ افسانہ دت بھارتی کے رسالے ''تخلیق'' میں چھپ گیا تو اس کو
> دوسری زبانوں میں ترجمہ کرنے کے اجازت نامے حاصل کرنے کے لیے
> کئی خطوط پنجابی، بنگالی اور ملیالم کے ساتھ جب انگریزی، چینی، فرانسیسی
> اور روسی زبانوں میں ترجمہ کی اجازت ناموں کے لیے خطوط آئے تو میں
> واقعی ہوائی گھوڑوں پر اڑنے لگا۔میرا پہلا افسانہ چھپ کر اتنی مقبولیت
> حاصل کر گیا تو اس سے مجھے یقیناً حوصلہ ملا۔اس کے بعد افسانوں کا سلسلہ
> شروع ہوا۔'' (۱۱)

ان کا دوسرا مجموعہ ''نشانات'' اگست ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا اس مجموعے میں کل سولہ ۱۶/افسانے شامل ہیں۔شبنم قیوم کا تیسرا افسانوی مجموعہ ''آزادی کی تلاش'' جون ۲۰۱۵ء میں شائع ہو کر منظر عام پر آیا۔اس مجموعے میں تیرہ ۱۳/افسانے شامل ہیں جن کو تین زمروں میں تقسیم کیا گیا ہے۔یعنی پہلے زمرے میں افسانے دوسرے زمرے میں مختصر افسانے اور تیسرے زمرے میں طویل افسانے شامل ہیں۔اس مجموعے میں جتنے بھی افسانے ہیں۔وہ کشمیر کے مسائل کی حقیقی حالات و واقعات پر مبنی ہیں۔

شبنم قیوم نے ناولوں اور افسانوں کے علاوہ ڈرامے بھی لکھے ہیں۔ان کا پہلا ڈراما ''یادگار'' ہے، جسے ریڈیو ڈراموں کے فسٹول میں شامل کیا گیا تھا۔اس کے علاوہ بائیس ۲۲/ریڈیو اور ۸/آٹھ ٹی وی ڈرامے بھی لکھے، ان کی دو ٹیلی فلمیں ''آگ اور پانی'' اور ''ٹوٹے ہوئے آئینے کی پرچھائیاں'' دوردرشن کیندر سری نگر سے ٹیلی کاسٹ ہوئی ہیں۔آپ کا ایک تاریخی سفرنامہ ''جو کہوں گا سچ کہوں گا'' ہے، جس میں انہوں نے اپنا اظہار بڑی جرأت مندی

اور بے باکی سے کیا ہے۔

شبنم قیوم ایک ادیب کے ساتھ ایک تاریخ نویس بھی ہیں۔انہوں نے تحریک اور سیاست سے متعلق متعدد کتابیں لکھی ہیں۔جن میں ''کشمیر کا سیاسی انقلاب'' ۱۹۸۹ء پانچ جلدوں پر مشتمل، ''سیکس پولیشن'' ۲۰۰۶ء، ''کشمیر میں خواتین کی بے حرمتی'' ۲۰۱۰ء، '' مفصل تاریخ وتحریک کشمیر'' ۲۰۱۴ء مکمل پانچ جلد اور ''کشمیر سیاست، سیلاب، انقلاب'' ۲۰۱۵ء ہیں۔ان کتابوں میں جس کتاب نے انہیں شہرت عام اور بقائے دوام بخشا وہ ''مفصل تاریخ وتحریک کشمیر'' ہے۔یہ تاریخی کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، جو کشمیر پر آٹھ سوسالہ دور حکمرانی پر محیط ۲۰۱۴ء میں شائع ہوئی۔اس کے ساتھ ساتھ شبنم قیوم نے بحیثیت مدیر اعلیٰ ''قومی وقار'' صحافت میں بھی لوہا منوایا ہے۔جو آج بھی ہفتہ وار شائع ہو رہا ہے جس میں وہ اپنے قوم کی آواز کو سامنے لانے میں پیش پیش ہیں۔''قومی وقار'' اگرچہ ایک ہفت روزہ اخبار ہے مگر یہ کسی بھی رسالے یا کتاب سے کم نہیں ہے۔ ہفت روزہ ''قومی وقار'' ۲۰۰۷ء تک سولہ صفحات پر مشتمل سادہ چھپتا تھا۔پھر یہ بھی ریاست کے باقی اخباروں کی طرح رنگین چھپنے لگا اور اس میں اردو کے ساتھ ساتھ کچھ صفحات انگریزی زبان کے بھی رکھے جاتے ہیں۔

''کشمیر کا سیاسی انقلاب'' کتاب ۱۹۸۹ء میں شائع ہوکر منظر عام پر آکر دادِ تحسین حاصل کر چکی ہے۔یہ کتاب پانچ جلدوں پر مشتمل ہے، یہ ایک بت شکن کا ایسا مستحسن کارنامہ ہے جس نے سال ہا سال کے اندھے عقائد میں شگاف پیدا کیا۔جس نے ظلمات کے دیوتاؤں کا حقیقی چہرہ قارئین کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کی ہے۔یہ ایک عہد کی ایک نئی تاریخ ہے، نیند سے بیدار ہونے والی قوم کے لیے ایک تابندہ آفتاب ہے جس کی ضیاپوش کرنوں سے صدیوں کے اندھیرے دم توڑ دیتے ہیں۔ ہزاروں صفحات پر مشتمل اتنا بڑا کام بخیر وخوبی انجام تک پہنچانے کے پیچھے فن کار کو جن مراحل سے گزرنا پڑا ہوگا۔ان کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔لیکن پانچ حصوں کا مطالعہ کرنے کے بعد دھند میں لپٹی ہوئی وادی سے ابہام کا کہراہٹ جاتا ہے اور ہر منظر نہایت صاف اور شگفتہ نظر آنے لگتا ہے۔اس بات کی طرف وجیہ احمد اندرابی نے بھی اشارہ کیا ہے۔وہ اس کتاب کا جائزہ لیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''تحریک حریت کشمیر سے متعلق اب تک جتنی کتابیں شائع ہوئی ہیں۔ان میں سے یہ کتاب سب سے زیادہ مفصل و مدلل ہے۔شبنم قیوم نے بلاشبہ بڑی لگن محنت اور عرق ریزی سے وہ سارے حالات وواقعات ضبط تحریر میں لائے ہیں۔جن سے کشمیر کا سیاسی انقلاب عبارت ہے۔کتاب کی دوسری

جلد میں پنڈت نہرو اور قائداعظم محمد علی جناح کے بارے میں جو تفصیلات درج ہیں، اس قسم کی تفصیلات اس نوعیت کی کتابوں میں اور کہیں نہیں ملتے ہیں۔ پھر اس کے جلد چہارم میں موئے مقدس ﷺ کی گمشدگی کے اسباب بھی بیان کیے گئے ہیں اور اصلی ملزم کو ہمارے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ شبنم قیوم کی یہ تصنیف بلا شبہ معلومات ، انکشافات اور سربستہ رازوں کا ایک ایسا ذخیرہ ہے جس کا پتہ اس کے پانچوں جلدیں پڑھ کر ہوتا ہے۔'' (۱۲)

شبنم قیوم نے ۲۰۱۵ء میں ایک انگریزی کتابچہ ﴿Kashmir Accession A Farce﴾ تحریر کیا۔ یہ کتابچہ ۲۶/اکتوبر ۱۹۴۷ء کے اس معاہدے کی نشاندہی کرتا ہے جو مہاراجہ ہری سنگھ اور حکومت ہند کے درمیان ہوا تھا۔ اس کتاب میں شبنم قیوم اس معاہدے کی پول کھولتا ہے اور اس معاہدے کو فراڈ قرار دیتا ہے۔ لکھتے ہیں:

{Those three black days 25,26,and 27 days of october 1947, and a criminal conspiracy hatched by the trio Sheikh Abdullah, Nehru, Mountbatten changed the course of history and spawned a never ending era of pain to kashmiris.

Maharaja Hari Singh signing the instrument of accession on 26 of oct 1947 and its acceptane by lord mountbateen are totally fraud and a stage showenacted only to occupy land which is believed to be heaven on earth.} (13)

اعزازات وانعامات

انعامات

شبنم قوم اپنے ہنر اور فن کی وجہ سے ہر گوشے سے خراج تحسین پاتے رہے۔ان کی ہر تصنیف میں کشمیر کے مظالم دیکھنے کو ملتے ہیں۔شبنم قیوم کو جن انعامات سے نوازاہ گیا وہ اس طرح ہیں:

۱۔بہترین ڈرامہ نگار ایواڈ ۱۹۶۸ء

۲۔بہترین کہانی کا ایواڈ ۱۹۷۰ء

۳۔کلچرل اکیڈمی ایواڈ ۱۹۷۶ء

۴۔اردو اکیڈمی ایواڈ ۲۰۰۷ء

اعزازات

شبنم قیوم کو درج ذیل اعزازات سے نوازا گیا ہے۔

۱۔گورنر مکہ (سعودی عربیہ) ۱۹۹۱ء

۲۔کشمیر سینٹر ۱۹۹۱ء

۳ رابطہ عالم اسلامی ۱۹۹۲ء

۴۔یونین آف کشمیر ڈاکٹرس ریاض ۱۹۹۲ء

۵۔مسلم کانفرنس (جدہ) ۱۹۹۲ء

۶۔یورپین یونین (برولیس) ۲۰۰۵ء

شبنم قیوم کا قلم حقیقت کا نقشہ کھینچتا ہے۔آپ نے ان نقاب پوشوں کا نقاب اتارا جو ہم آپ میں سے بیٹھ کر لوگوں کو بے وقوف بنا رہے تھے۔آپ نے جو کچھ سنا اور دیکھا وہ لوگوں کو دکھانے کی کوشش کی۔شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ سے پنڈت جواہر لال نہرو تک کوئی بھی آپ کے قلم سے نہیں بچ پایا۔یہی وجہ ہے قومی سطح پر آپ کو ایواڈ سے نوازہ نہیں گیا۔آپ ان ادبا میں شمار کئے جاتے ہیں۔جنہوں نے دل و جان سے اردو ادب کی خدمت کی ہے۔یہ ایک ایسی شخصیت ہے جنہوں نے کسی نہ کسی طرح اردو ادب کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کی ہے۔شبنم قیوم نہایت ہی نرم دل،خوش اخلاق اور ملنسار انسان ہیں۔آپ کے ان اوصاف کے متعلق خورشید عالم رقم طراز ہیں:

''شبنم قیوم ایک دردمند دل رکھتا ہے۔طبعیت کا سادہ اور
معصوم ہے خلوص نرمی اور اپنا پن اس میں بدرجہ اتم موجود ہے۔'' (۱۴)

راقم نے پہلی بار شبنم قیوم سے موبائل پر جب بات کی تو شبنم قیوم کے یہاں بڑی گرم جوشی دیکھنے کو ملی۔فون پر دونوں کی ملاقات طے ہوئی اور ۱۶ ردسمبر ۲۰۱۹ء کو ملاقات کی تاریخ رہی۔ چونکہ دسمبر کا مہینہ کشمیر میں سردیوں کا مہینہ ہوتا ہے لہذا شبنم قیوم نے دن کے ۱۱ ربجے راقم السطور کو ریگل چوک سرینگر جہاں شبنم قیوم کا ذاتی ہفت روزہ اخبار'' قومی اخبار'' شائع ہوتا ہے وہاں ملنے کو بلایا۔

آپ کے آفس کا خاکہ کچھ اس طرح سے ہے۔ پورا آفس تین کمروں پر مشتمل ہے۔جس میں پہلا کمرہ جو خالی ہے اور اس میں دو چار کرسیاں بھی بچھی رہتی ہیں۔دوسرا کمرہ جو شبنم قیوم کا آفس ہے اور یہاں شبنم کی کتابیں ہیں شبنم قیوم اسی آفس میں ادب کا مطالعہ کرتے ہیں۔اس کا نقشہ اس طرح ہے آفس کے بیچ و بیچ میں بڑی کرسی رکھی ہے جس کے بالکل آگے میز ہے اور میز پر اہم کاغذات اور کچھ اہم کتابیں رکھی ہوئی ہیں۔میز کے بالکل آگے تین کرسیاں بچھی ہوئی ہیں۔ جو ان کے خاص مہمانوں کے لئے ہوتی ہیں۔اس کے علاوہ کمروں کے اطراف میں بھی بہت ساری کتابیں پڑی ہوئی ہیں۔اس کے بعد تیسرا کمرہ ہے۔اس کمرے سے'' قومی وقار'' کی دیکھ ریکھ ہوتی ہیں اور یہیں سے'' قومی وقار'' چھاپا جاتا ہے۔ یہاں شبنم قیوم کا ایک ۳۵ رسالہ ملازم ہے۔جو کمپوٹر آپریٹر کا کام کرتا ہے۔ یہ لڑکا چہرے اور جسم کے اعتبار سے بڑا چست، صحت مند اور چاک و چوبند دکھتا ہے۔اس کے علاوہ شبنم قیوم کے آفس میں ایک خان صاحب بھی کام کرتے ہے۔ بڑی سفید داڑھی، ایرانی ٹوپی، چھوٹا قد اور شبنم قیوم جیسی خصوصیت رکھنے والا انسان ہے۔راقم نے آفس کے اندر پاؤں رکھا تو وہاں چائے کا انتظام کیا گیا اور ہر لفظ پر بیٹا بیٹا کہا کرتے تھے۔ان کی مہمان نوازی دیکھ کر چکبستؔ کا یہ شعر ذہن میں گونجتا ہے:

ذرہ ذرہ ہے مرے کشمیر کا مہماں نواز
راہ میں پتھر کے ٹکڑوں نے دیا پانی مجھے

شبنم قیوم سے ایک انٹرویو

’’سوال: آپ نے ادب کے میدان میں ایک انقلاب برپا کیا ہے۔اپنی ادبی خدمات پر روشنی ڈالیں؟ آپ نے کب لکھنا شروع کیا،اور آپ کی پہلی تخلیق کو ادب کے کس زمرے میں رکھا جاسکتا ہے؟ اگر افسانہ تھا تو کس اخبار میں چھپا؟

جواب: ادب میں انقلاب برپا کرنے کا معاملہ ۱۹۷۵ء میں پیش آیا۔اس وقت تک میں کئی ادبی کتابوں کا مصنف تھا۔اب تک درجنوں افسانے،دوناول،ڈرامے اور کئی مزاحی جھلکیاں جو ہوا محل کے پروگرام میں شامل ہیں۔ادبی دنیا میں جس ادبی شہکار نے نہ صرف انقلاب لایا بلکہ تہلکہ بھی مچایا اس کا عنوان ہے۔

’’یہ کس کا لہو ہے کون مرا‘‘

یہ ناول کشمیر کی تاریخ،تحریک،ثقافت،تہذیب اور تمدن کے پس منظر میں شائع ہو کر بڑی پزیرائی حاصل کر چکا ہے۔متواتر چالیس سال سے چھپ رہا ہے اب تک اس کے دس ایڈیشن منظر عام پر آچکے ہیں۔

میں نے کم عمری میں لکھنا شروع کیا،میری پہلی تخلیق کون ہے اس کے بارے میں وثوق سے کہا نہیں جا سکتا کیونکہ ابتدائی دور میں جب افسانے لکھنا شروع کیا تو وہ مقامی اردو اخبار میں شائع ہوتے رہے البتہ میں ذاتی طور پر پہلی تخلیق ’’جہاں انسان دفن ہے‘‘ نام کے افسانہ کو دے سکتا ہوں۔میرا پہلا افسانہ ۱۸؍سال کی عمر میں پہلی بار مقامی اخبار ’’آہنگ‘‘ میں شائع ہوا۔اس کو دہلی میں ودت بھارتی کی ادارت سے شائع ہونے والے ادبی میگزین ’’تخلیق‘‘ نے شائع کیا تو اس کو پنجابی میں ترجمہ کر کے شائع کیا گیا۔اس کے بعد یہ ہندی،انگریزی،تامل اور بنگالی کے علاوہ روسی زبان میں شائع کیا گیا۔روسی زبان میں اس کو ڈرامائی شکل بھی دی گئی۔

مجھے میرے اس افسانے کی اشاعت کی وجہ سے ادبی دنیا میں بڑی شہرت مل گئی۔

سوال: آپ نے ناول نگاری کے میدان میں کب قدم رکھا،آپ اپنے ناولوں میں کس چیز پر زور دیتے ہیں اور آپ اُس خاص چیز سے زیادہ متاثر کیوں ہیں؟

جواب: میں نے ناول نگاری کے میدان میں اس وقت رکھا جب میری عمر صرف ۱۹؍سال کی تھی۔اس وقت تک میں نے ایک درجن کے قریب افسانے اور مضامین لکھے تھے۔میں روز مرہ زندگی میں پیش آئے حقیقی

واقعات کوادبی لباس پہنا کر اسے قاری تک پہنچانے میں یقین رکھتا ہوں۔میں مشاہدات کے دائرے میں حالات اور واقعات سے مواد لیتا ہوں۔چونکہ ہم کشمیری سیاسی تناؤ اور اُلجھاؤ میں جی رہے ہیں۔یہ سیاسی تناؤ اور اُلجھاؤ ایک طرف سے ہماری زندگی کا حصہ بن گیا ہے۔ظاہر ہے جب ہم زندگی سے مواد لے کر تخلیق کو جنم دیتے ہیں۔تو اس تناؤ اور الجھاو کا عمل دخل رہتا ہے حالات اور واقعات تخلیق کار کو متاثر کرتے ہیں۔لہذا تخلیق میں یہ اثر نمایاں رہتا ہے۔

سوال: آپ کس ناول نگار سے زیادہ متاثر ہیں اور آپ کی کس کس ناول میں ان کی ناولوں کا رنگ جھلکتا ہے؟

جواب: میں معیاری ناول نگاروں میں سے زیادہ کرشن چندر سے متاثر ہوں۔البتہ ان کی ناولوں کا رنگ اپنے ناولوں میں دینے سے قاصر ہوں کیونکہ میری تخلیقات کا موضوع مختلف ہے لہذا میں جس ماحول میں رہتا ہوں میری تخلیقات میں وہی رنگ ملتا ہے۔

سوال: آپ نے کن کن اردو ناولوں کا بغور مطالعہ کیا ہے؟

جواب: میں نے برصغیر ہندو پاک کے اکثر ناول نگاروں اور افسانہ نگاروں کی نگارشات کا مطالعہ کیا ہے۔

سوال: اس وقت آپ کی مصروفیات کیا ہے اور آپ ادب کا کون سا فن پارہ تیار کر رہے ہیں؟

جواب: میں آج کل ادب سے زیادہ تاریخ پر مصروف ہوں۔میں نے ادب کے ساتھ سیاست تاریخ اور تحریک پر ایک درجن سے زیادہ کتابیں لکھی ہیں۔آج کل بھی تاریخ پر ہی کتاب قلم بند کر رہا ہوں۔انشااللہ مستقبل قریب میں منظر عام پر یہ تاریخی دستاویز رہے گی۔

سوال: جموں وکشمیر کی موجودہ صورت حال کو آپ کس زاویے سے دیکھتے ہیں۔ایک عرصہ دراز سے جو قربانیاں کا جو سلسلہ چلا ہے کیا وہ قربانیاں رائیگاں جائے گی؟

جواب: جموں وکشمیر کی موجودہ صورت حال نہایت ہی گھمبیر اور پیچیدہ ہے اس کو ایک ذی حس انسان صرف تشویش کی نظر سے دیکھ سکتا ہے۔یقیناً ہماری قربانیوں کا سلسلہ دراز ہے۔قربانیوں کے رائیگاں ہونے کا فیصلہ قبل از وقت ہے۔اس کے بارے میں اللہ پر بھروسہ رکھا جا سکتا ہے۔

سوال: آپ نے کن کن اخبارات میں کام کیا ہے اور آپ کا اپنا اخبار ''قومی وقار'' کب سے ہوا ہے؟

جواب: میں نے برسوں پہلے روز نامہ ''سرینگر ٹائمز'' میں سال بھر کام کیا۔البتہ وادی کشمیر کے اردو

اخبارات اور میگزین کے ساتھ میرا قلبی تعاون رہا ہے۔نومبر ۲۰۰۳ء میں اپنا ذاتی اخبار قومی وقار شائع کیا جو مسلسل شائع ہو رہا ہے۔

سوال: آپ کی شہرت کا دارومدار کس ناول پر ہے کیا آپ نے اردو کے بغیر کشمیری زبان میں بھی لکھنے کی سعی کی ہے؟

جواب: میں اپنی شہرت کا دارومدار اپنی ناول ''یہ کس کا لہو ہے، یہ کون مرا'' کو دے سکتا ہوں۔اسی ناول نے مجھے شہرت اور عزت کے ساتھ دولت بھی دی ہے اس ناول نے کشمیر میں اشاعت کی ایک تاریخ مرتب کی ہے۔اب تک اس کے دس ایڈیشن شائع ہوے ہیں۔'' (۱۵)

یہ ناول گزشتہ چالیس سال سے مسلسل چھپ رہا ہے۔اور اس سے ہاتھوں ہاتھ لیا جا رہا ہے۔اس ناول کو ایک دوسرے کو غصے میں بھی دیا گیا ہے۔اس کی مانگ نہ تھمتے دیکھ کر مجھے اس سوال کا جواب خود دینا پڑا۔اس ناول کا عنوان ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا''یعنی ایک سوالیہ ہے اور اس کا پورا شعر جو نامور شاعر ساحرؔ لدھانیوی کا ہے یوں ہے۔

اے رہبر ملک و قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے کون مرا

میں نے اپنے کشمیر کے پس منظر میں اس تاریخی اور سیاسی موضوع پر ناول لکھ کر جب منظر عام پر لایا تو سرکاری طور پر اس کا سارا مواد ضبط کر کے مجھے انڈر گراونڈ جانا پڑا۔ہم سے اس ناول کو دوبارہ شائع نہ کرنے کا بانڈ لکھ کر لیا گیا۔اس کے باوجود ہم نے اس سے شائع کر کے منظر عام پر لایا تو اس نے تہلکہ مچایا۔۱۹۷۵ء سے یہ متواتر شائع ہونے کے بعد اب ہم نے خود ہی اس کا جواب دیا:

یہ لہو کشمیر کا ہے کشمیر مرا

(۲) شخصیت

حلیہ

شبنم قیوم کا حلیہ کچھ اس طرح ہے۔قد پانچ فٹ تین انچ یعنی درمیانی قد،سانولہ رنگ بغیر داڑھی کے چہرہ لیکن مونچھیں بہت پہلے سے ہی رکھتے آئے ہیں، جو آج عمر کے تقاضے سے سفید ہیں وہ انہیں کافی سجاتے رہتے

ہیں۔سیاہ اور گہری آنکھیں، چھوٹے چھوٹے مگر سفید بال، پیشانی چمکدار اور ہونٹوں پر بات کرتے وقت مسکراہٹ رہتی ہے۔آنکھوں پر ہمیشہ چشمہ لگا رہتا ہے اوراس کا دھاگہ گردن کی طرف لٹکتا رہتا ہے۔ باتوں میں مٹھاس ،آواز میں ترنم ہے۔کان تھوڑے بڑے ہیں اورعمر کے تقاضے سے کم سن پاتے ہیں۔ان کا وزن ۶۵ رکلو سے زیادہ تجاوزنہیں کر پایا۔

لباس

شبنم قیوم سادہ لباس زیب تن کرتے ہیں۔شہر میں کسی تقریب،دعوت میں جانا ہوتو کرتا پاجامہ اور کورٹ پہن کے جاتے ہیں اور جوتوں کی جگہ افغانی جوتی پہننا پسند کرتے ہیں۔گھر کے اندر اکثر و بیشتر کرتا پاجامہ ہی پہنتے ہیں۔کسی محفل یا سیمینار کی صدارت کرنی ہوتو اس وقت کورٹ پتلون پہنا کرتے ہیں۔وہ اپنے ملبوسات میں سفید رنگ زیادہ پسند کرتے ہیں اوران کے سر پر افغانی ٹوپی ہر وقت دیکھنے کوملتی ہے۔آپ فارمل لباس پہننا پسند کرتے ہیں،اس کے علاوہ آپ نمازِ جمعہ،عیدین اورشادی بیاہ وغیرہ کے موقعوں پرخان سوٹ (شلوارقمیض) پہنتے ہیں۔

کشمیر جوکہ سردی کا گھر بھی مانا جاتا ہے یہاں بے وقت بارش کے ساتھ ساتھ برف بھی گرنے کا خدشہ رہتا ہے۔ یہاں کے چھ مہینے سردی کے ہوتے ہیں تین یا دو مہینے ایسے ہوتے ہیں جن میں کثرت سے برف پڑتی ہے۔اس شدید سردی سے تحفظ پانے کے لیے یہاں کے لوگ کانگڑی ، بلووَر، ہیٹر،فرن ،اونی سوئیٹر، پشمینہ شال وغیرہ کا انتظام مہینوں پہلے کرکے رکھتے ہیں ۔ سردی کی اس شدت کوشبنم قیوم بھی مدنظر رکھتے ہیں اور فرن ، تھرما کوٹ،سوئیٹر،جیکٹ اورگلوبند بھی ڈالتے ہیں۔

غذا

جموں وکشمیر اپنی الگ تہذیب کے ساتھ ساتھ ایک الگ پہچان بھی رکھتا ہے۔ یہاں کا وازوان دنیا کے گوشے گوشے میں مشہور ہے۔جوبھی سیاح خواہ وہ ہندوستان کا ہو یا دنیا کے کسی بھی خطے سے ہو یہاں کا وازوان کھا کرضرور متاثر ہوجاتا ہے۔ جہاں تک شبنم قیوم کے غذا کاتعلق ہے وہ بھی وازوان ازحد پسند کرتے ہیں اور ساتھ ہی سادہ غذا یعنی کم مصالحوں والی چیزیں ان کو زیادہ مرغوب ہیں۔سبزیوں میں ساگ، کدو، مٹر، بینگن کھانا پسندکرتے ہیں ۔ اس کے علاوہ گوشت میں شامی کباب،رستہ ، اور خاص کر گھریلو یخنی اور بڑے کا قورمہ کھانا پسندکرتے ہیں۔کشمیری نون چائے (نمکین) کثرت سے پیتے ہیں اور ساتھ میں کشمیری لواسہ (تندوری

روٹی) بھی کھاتے ہیں۔دن میں تین چار بار لپٹن چائے آفس میں پی ہی لیتے ہیں،اکثر دوپہر کا کھانا ترک کرتے ہیں۔بادام اوراخروٹ کھانا بھی ان کی عادت میں شامل ہے۔

معمولات زندگی

شبنم قیوم ایک ذمہ دار شخصیت کے علاوہ اپنے گھر کے رہبر بھی ہیں۔پورے گھر کی دیکھ ریکھ ان ہی کی نگرانی میں ہوتی ہے،گھر کی اکثر ذمہ داریاں وہ خود سنبھالتے ہیں۔شبنم قیوم پابند نمازی بھی ہیں معمول کے مطابق صبح ساڑھے پانچ بجے نیند سے جاگتے ہیں اور پھر ذکر الٰہی میں مشغول رہتے ہیں۔نماز کے بعد باضابطہ طور پر قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں اوراس کے بعد کشمیری نون چائے نوش کرتے ہیں۔چائے کے فوراًبعد وہ دن کے سارے طے شدہ کام پر نظر ثانی کرتے ہیں اور ذہنی طور پر پورے دن کے لیے تیار ہوجاتے ہیں۔چونکہ شبنم قیوم سری نگر کے چھانہ پورہ علاقے میں اس وقت مقیم ہیں، اس لیے انہیں چھانہ پورہ سے ہی اپنے آفس کے لیے روانہ ہونا پڑتا ہے۔وہ معمول کے حساب سے صبح ساڑے دس بجے گھر سے نکلتے ہیں اور قریباً گیارہ بجے آفس پہنچ جاتے ہیں۔شبنم قیوم یہاں اپنے اخبار ’’قومی وقار‘‘ کی ادارت سنبھالتے ہیں۔اس کے علاوہ وہ تصنیف وتالیف کا کام بھی اسی آفس سے کرتے ہیں۔یہاں شبنم قیوم کا ایک الگ چیمبر ہے جہاں وہ گھنٹوں قومی وقار اور دیگر چیزوں کا بغور مطالعہ کرتے ہیں۔وہ خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے اسٹاف کی رہنمائی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔شام ڈھلتے ہی گھر واپس ہوتے ہیں اور قریباً سات بجے رہائش گاہ پہنچتے ہیں بقیہ وقت اپنے اہل خانہ کے ساتھ گزارنا پسند کرتے ہیں۔رات کا کھانا ہونے کے بعد پڑھائی لکھائی میں کم سے کم دو تین گھنٹے گزر ہی جاتے ہیں۔یہی ان کی روزمرہ زندگی کا معمول ہے۔

رہن سہن

شبنم قیوم صحافتی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں اور اکثر دیکھا گیا ہے کہ صحافتی دنیا سے وابستہ لوگ اکثر ڈرامائی انداز اور دکھاوا کرتے ہیں۔لیکن اس کے برعکس شبنم قیوم کے رہنے کا طور طریقہ بالکل سادہ اور عام ہے وہ ڈرامائی انداز سے سخت نفرت کرتے ہیں۔شہر سری نگر میں سکونت پذیر ہونے کے باوجود بھی وہ اپنے اندر گاؤں کی تہذیب اور پرانی قدروں کو ترجیح دیتے ہیں۔ان کا سادہ پن ان کی تحریروں میں بھی عیاں ہے،وہ ان سادہ اور عام عورتوں کے بارے میں احساس اور جذبات رکھتے ہیں جنہیں سماج کے ٹھکیدار کچلنا اور مروڑنا چاہتے ہیں۔شبنم قیوم عوام کے ظلم کو

بھی سہہ نہیں سکتے اور اپنی تحریروں میں ان پر کیے گئے ظلم کو اجاگر کرتے ہیں۔ وہ اپنے گھر میں بیوی بچوں کے ساتھ عام آدمی کی طرح عشق ومحبت سے رہتے ہیں۔ شبنم قیوم اپنے محلے والوں کے ساتھ خوش مزاجی سے پیش آتے ہیں اور ان کے دکھ سکھ میں برابر شریک ہوتے ہیں۔ وہ پڑوسیوں کے لیے اپنے قلم سے، اپنی آواز سے اور وقت آنے پر ہاتھوں سے بھی لڑتے ہیں۔ اس بات کی تصدیق ناول ''چراغ کا اندھیرا'' سے بہ خوبی ہوتی ہے۔ یہ ناول ان کے ایک پڑوسی کے گھریلو حالات پر مبنی ہے جو سری نگر کے راج باغ علاقے کی فیکٹری میں ملازم تھا۔ یہ فیکٹری گھاٹے پر چل رہی تھی اور سرکار نے اس فیکٹری کو بند کیا۔ شبنم قیوم کا ہمسائیہ بے روزگار ہوگیا، اس ملازم کی تنگ حالی کو دیکھ کر شبنم قیوم نے یہ ناولٹ لکھا۔ قیوم صاحب کا قلم اتنا زور دکھا گیا کہ فیکٹری از سرنو شروع ہوئی اور اس بندے کو بھی انصاف ملا۔ شبنم قیوم چھوٹے بڑے، عام خاص، امیر وغریب ہر کسی فرد سے خندہ پیشانی کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ وہ ایک سادہ مزاج ہونے کے ساتھ ساتھ سادہ رہن سہن ہی پسند کرتے ہیں۔ آج کے اس تکنیکی دور میں بھی وہی پرانا ﴿Nokia---110﴾ سادہ موبائل فون رکھے ہوئے ہیں۔ جس سے وہ اپنے عزیز واقارب کے علاوہ عام لوگوں سے رابطہ کرتے ہیں۔

ہمدردی ومخلصی

شبنم قیوم کی شخصیت میں خلوص ومحبت کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا ہے وہ دوسروں کی مدد کرنا اپنا فرئض سمجھتے ہیں۔ ان کا دل دریا کی مانند ہے جس میں پورے کشمیر کا درد سمویا ہے۔ ان کی اکثر تحریروں میں مظلوم کشمیریوں کا ظلم جھلکتا ہے یہی نہیں عورتوں کا دکھ، سماج میں نابرابری، بچوں کی تکلیفیں ان سب چیزوں کے لیے شبنم قیوم کا دل دھڑکتا ہے۔ وہ دھرتی پر کہیں بھی ظلم دیکھتے ہیں تو ان کی آنکھوں سے آنسوں پھوٹتے ہیں۔ شبنم قیوم محبت کے قائل ہیں اور ہر کام اپنے اسٹاف ممبرس کو پیار سے سمجھاتے ہیں۔ انہوں نے کبھی بھی کسی اسٹاف ممبر پر زیادتی نہیں کی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس ان سے ہمدردی اور دوستانہ رویہ اختیار کیا ہے۔ وہ سب لوگوں کے ساتھ بڑی عاجزی وانکساری سے ملتے ہیں۔ چھوٹوں سے شفقت اور بڑوں سے ہمدردی رکھتے ہیں اور محبت وخلوص کے برتاؤ سے لوگوں کے دلوں میں گھر کر لیتے ہیں۔ ان کے ایک ایک لفظ سے محبت اور شفقت کے پھول جڑتے ہیں بچپن کے زمانے سے ہی ان کے مزاج میں نرمی اور انکساری رہی ہے انہوں نے کبھی بھی کسی کے تلخ الفاظوں کا جواب نہیں دیا۔ ہمدردی کا یہ عالم ہے جب سماج میں کسی فرد کو ظلم کا شکار ہوتے دیکھتے ہیں تو کسی نہ کسی صورت میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ وہ اپنے دوستوں، رفیقوں اور سماج کے ہر فرد کو خوش اور خوشحال دیکھنا چاہتے ہیں۔ شبنم قیوم نڈر، بے باک اور جرت مند قلم کار

کے طور پر جانے جاتے ہیں۔اس سلسلے میں وہ خود اپنی کتاب ''مفصل تاریخ وتحریک کشمیر'' میں لکھتے ہیں:

'' میرے اپنے پرائے چاہنے والے بہی خواہ ہمدرد، دردمند مجھ سے اکثر کہتے ہیں کہ میں اپنی زندگی سے کھیلنے، اپنی جان کی پرواہ نہ کرنے کی حد تک بے باکی جرأت مندی اور نڈرتا رکھتا ہوں۔قتل کیے جانے تک سچائی کا اظہار کرتا ہوں۔'' (۱۶)

بحیثیت دوست

شبنم قیوم ایک خوددار اور حق پرست انسان ہیں ظاہری بات ہے اچھے اور سچے انسان کے دوست کم ہوتے ہیں۔کم ہی سہی لیکن شبنم قیوم اپنی دوستی کا فرض حق کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔شبنم قیوم میں ایک اچھے دوست کے تمام خصائل موجود ہیں۔وہ اپنے دوستوں کے دعوت ناموں پر جاتے ہیں اور خود بھی اپنے گھر پر انہیں موعو کرتے ہیں۔اپنے دوستوں کے دکھ کو اپنا دکھ سمجھتے ہیں اور مشکل اوقات میں پیش پیش رہتے ہیں۔طویل عمر گزرنے کے بعد بھی وہ دوستوں کے ساتھ دوسرے مقامات پر جانا پسند کرتے ہیں۔کوئی دوست ناراض ہو جائے تو اپنی طرف سے منانے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں اور منا کر ہی دم لیتے ہیں۔اپنی اکثر باتیں دوستوں کے ساتھ بانٹتے ہیں اور ان سے ہر کام میں صلح مشورہ لیتے ہیں۔اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ شبنم قیوم اپنے سے زیادہ بھروسہ اپنے دوستوں پر کرتے ہیں اور ان کے دوست بھی شبنم قیوم پر جان نچھاور کرتے ہیں۔ ہمیشہ دوستوں کا دل رکھنے کے لیے پیش پیش رہے ہیں۔سبھی ان سے محبت رکھتے ہیں کیونکہ ان کی طبیعت میں دوستانہ پن ہر وقت چھلکتا رہتا ہے۔ان کے زیادہ مراسم ہم عمر دوستوں میں محترم نور شاہ صاحب کے ساتھ اور چھوٹوں میں بہترین صحافی مرحوم شجاعت بخاری کے ساتھ رہے ہیں۔کشمیر کے بڑے ادیبوں سے متاثر ہو کر شبنم قیوم نے ایک انٹرویو میں یوں بتایا ہے کہ:

''کرشن چندر نے مجھے زیادہ متاثر کیا اور میرے قدر شناسوں میں عبدالقادر سروری ہیں ، جن کی میں سب سے زیادہ قدر کرتا ہوں۔'' (۱۷)

اندازِ گفتگو

شبنم قیوم نرم طبیعت کے انسان ہیں وہ کسی بھی فرد خواہ وہ اپنا ہو یا پرایا کے ساتھ اس طرح بات کرتے ہیں جیسے رشتہ داروں کے ساتھ بات کی جاتی ہے۔ان کے لہجے سے شرافت کی بو آتی ہے ان کا ایک ایک لفظ عزت افزائی

کا حامل ہوتا ہے اور وہ اکثر مہذب لفظوں کا استعمال کرتے ہیں۔ وقت اور چھوٹے بڑے کو دیکھ کر لفظوں کا بھر محل استعمال کرتے ہیں گفتگو کرتے وقت ہمیشہ چہرے پر ہنسی رہتی ہے اور پیشانی کھلتی رہتی ہے۔اپنے خادم اور ملازموں کے ساتھ نرم گفتاری کے ساتھ پیش آتے ہیں۔کسی سے کام بگڑ جائے تو برہم بھی ہو جاتے ہیں اور پھر ماتھے پر تھوڑی سی شکن رہتی ہے۔ڈانٹ ڈپٹ سے پرہیز کرتے ہیں شائستہ لہجے میں بات کرتے ہیں اور اکثر اوقات ''آپ'' اور ''اچھا'' کا لفظ زبان پر رہتا ہے۔جب بھی کبھی انہیں مجلسوں ،محفلوں اور ادبی سیمناروں میں بحیثیت صدر مدعو کیا جاتا ہے تو وہاں وہ اپنے ذمہ داریوں کا بخوبی احساس رکھتے ہوئے اپنا فریضہ بڑے شائستہ اور نرم انداز میں انجام دیتے ہیں۔تقاریر کرتے وقت بھی ان کا لہجہ نرم رہتا ہے اور میانی آواز اپنی بات کو پیش کرتے ہیں۔قوت سماح کم ہونے کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی اونچے لہجے میں بھی بات کرتے ہیں۔

حلقہ احباب

چونکہ شبنم قیوم بیک وقت ایک صحافی ، ناول نگار، افسانہ نگار اور ڈراما نگار بھی ہیں۔ان کے رشتہ دار صحافت میں اعلیٰ مقام حاصل کر چکے ہیں اور شبنم قیوم ان کے ساتھ بھی کام کر چکے ہیں یہی ایک وجہ ہے ان کا حلقہ احباب وسیع ہے۔ وہ اپنے رشتہ داروں سے زیادہ ادیبوں کو اہمیت دیتے ہیں اور گھر والوں سے زیادہ ان کے ساتھ لگاؤ رکھتے ہیں۔مرحوم حامدی کاشمیری اور نور شاہ جیسی بڑی شخصیتوں سے دل کا رشتہ اختیار کیا ہے۔اپنے بھائیوں عبدالمجید ریشی ،نذیر احمد ریشی اور منصور احمد ریشی کو بھی از حد چاہتے ہیں لیکن مصروفیات کی وجہ سے انہیں کم وقت دے پاتے ہیں۔ ان کے یہاں اپنی مصروفیات کی وجہ سے کم جایا کرتے ہیں۔رشتوں کے اصولوں کو برقرار رکھنے کے لیے ان کو اکثر گھر پر مدعو کرتے ہیں۔اپنے گھر کے بچوں سے دلوں لگاؤ ہے وقت نکال کر ان کے ساتھ کھیلتے ہیں۔شبنم قیوم پوتے پوتیاں اور نواسوں سے کافی پیار کرتے ہیں ان کے لئے ہر عید پر عیدیانہ رکھتے ہیں اور کتابیں تحفے میں اکثر بیجا کرتے ہیں۔

سفر عرب

نومبر ۱۹۹۲ء میں مجھے رابطہ عالم اسلامی کی دعوت پر سعودی عرب جاکر عمرہ کی سعادت حاصل کرنے کا موقعہ ملا۔اس دورے کے دوران میں سعودی عرب کے شاہ کا مہمان تھا اور میرا قیام سعودی عرب کے شاہ کے مہمان خانے میں رہا۔ یہ مہمان خانہ کعبہ کے عقب میں تھا، میرا سعودی عرب میں ۱۵/روز تک قیام رہا۔اس دوران مجھے خانہ کعبہ کے اندر جانے کا شرف حاصل ہوا۔سعودی عرب کے شاہ کے دیگر کئی مہمانوں کے ساتھ خانہ کعبہ کے اندر

جانے کے لیے جب اس کا دروازہ کھولا گیا اور اندر جانے کے لیے عارضی سیڑھی لگائی گئی تو ان سیڑھیوں کے ذریعے خانہ کعبہ کے اندر جانے کے دوران مجھے ایسا محسوس ہوا گویا باری تعالیٰ مجھے عرش کی سیر کروا رہا ہے۔ میں اس سعادت کو دیکھ کر دیوانا سا ہوگیا اور اس دیوانگی میں مجھے خانہ کعبہ کے اندر اس مقام پر دو رکعت شکرانے کی نماز ادا کرنے کا موقع بھی ملا۔ جس مقام پر ہمارے پیغمبر رسولِ عربی ﷺ اعتکاف میں بیٹھے تھے۔ جب خانہ کعبہ سے نکل کر واپس فرش پر آ گیا تو اس میں نا قابل یقین واقع کو حقیقت جان کر بڑا اشادمان ہوا۔

اس کے بعد جب میں مدینہ روانہ ہوا تو مسجد نبوی ﷺ میں نماز ادا کی اور روضۂ اطہر کا دیدار نصیب ہوا۔ اس مقام پر کھڑے ہو کر خوشی اور مسرت سے سرشار ہونے کے بجائے بڑا مغموم رہا۔ میری آنکھوں سے آنسوں زاروقطار بہنے لگے، میرا جسم کانپ سا گیا مجھے اس حقیقت پر یقین نہ آیا۔ میں ذرا سنبھل کر شکرانے کی نماز ادا کرنے کے لیے وہاں اس مقام پر آیا گیا، جہاں پر رحمت العالمین، شفیع المذنبین ﷺ خطبہ دیا کرتے تھے۔ یہاں میں نے پاک خداوندی کا احسان مان کر شکریہ ادا کیا۔

فریضہ حج

۱۵راگست ۲۰۱۶ء کے روز مجھے اپنی شریکِ حیات کے ساتھ حج پر جانے کا شرف حاصل ہوا۔ مدنیہ منورہ میں تمناء دل میں ٹھہری کہ مسجد نبوی کے احاطے میں داخل ہو کر میری نظر گنبد خضرا پر پڑے۔ یہ خواہش اپنی بیگم کے ساتھ بانٹ دی اور دروازہ نمبر ۷ا سے اندر جاتے ہی ہماری خواہش پوری ہوئی۔ آٹھ دن تک مدینہ پاک میں قیام کے بعد ہمیں مکّہ معظّمہ پہنچایا گیا جہاں۔ یہاں طواف کے بعد مقام ابراہیم کے پاس بیٹھے کی جگہ ملی لوگوں کا ہجوم تھا تقریباً سولہ لاکھ لوگوں کا اجتماع تھا۔ اتنی بھیڑ میں بھی ہجر اسود کا بوسہ لینا نصیب ہوا۔ اس پورے فریضے سے خوشی و مسرت کی جو لہر زندگی میں دوڑی شاذ ہی کسی اور سفر یا کسی اور موقعے پر ملی ہو۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ رسالہ شیرازہ، جموں وکشمیر میں اردو ادب، کلچرل اکیڈمی جموں وکشمیر، ۲۰۰۴ء، شمارے ۸، ص ۱۱

۲۔ محمد دین فوق، تاریخ اقوام کشمیر، ۱۹۸۸ء، ص ۱۸۰

۳۔ شخصی انٹرویو، شبنم قیوم، از مشتاق احمد کھوکھر، بمقام ریگل چوک سری نگر، ۹/دسمبر ۲۰۱۷ء

۴۔ رسالہ بازیافت، پروفیسر عبدالقادر سروری، کشمیر یونی ورسٹی، ۱۹۹۶ء، شمارہ نمبر ۵، ص نمبر ۷

۵۔ قومی وقار (ہفت روزہ اخبار)، جلد ۱۳/شمارہ نمبر ۴۸، ۵ دسمبر تا ۱۱/دسمبر ۲۰۱۵ء، ص ۳

۶۔ شخصی انٹرویو، شبنم قیوم، از ریاض احمد صوفی، بمقام ریگل چوک سری نگر، ۱۳/مئی ۲۰۱۸ء

۷۔ شخصی انٹرویو، شبنم قیوم، شکیل کٹاریہ، رہائش گاہ چھانہ پورہ سری نگر، ۱۴/اپریل ۲۰۱۵ء

۸۔ نور شاہ، جموں وکشمیر کے اردو افسانہ نگار، ۲۰۱۱ء، میزان پبلشرز بتہ مالو سری نگر، ص ۲۱

۹۔ کشمیر کا سیاسی انقلاب، جلد ۵/کشمیر بک ڈیپو سری نگر، مئی ۱۹۸۹ء، ص ۳۳۵

۱۰۔ شبنم قیوم، ایک زخم اور سہی (افسانہ) ص ۷

۱۱۔ کشمیر کا سیاسی انقلاب، جلد ۵/کشمیر بک ڈیپو سری نگر، مئی ۱۹۸۹ء، ص ۳۳۶

۱۲۔ روزنامہ الصفاء نیوز، صفحہ نمبر ۵، کتاب کشمیر کا سیاسی انقلاب ایک جائزہ، وجیہ احمد اندرابی، ۲۶/دسمبر ۱۹۹۰ء

۱۳۔ شبنم قیوم، ﴿Kashmir Accession A Farce﴾، انگریزی کتابچہ، ۲۰۱۵ء ص ۳

۱۴۔ خورشید عالم، ماہنامہ مزاج، بھوپال، مارچ ۱۹۶۷ء، ص ۲۲

۱۵۔ شخصی انٹرویو، شبنم قیوم، از راقم جاوید احمد وانی، بمقام ریگل چوک سری نگر، ۱۳/اگست ۲۰۲۰ء

۱۶۔ شبنم قیوم، مفصل تاریخ وتحریک کشمیر، جلد اوّل ۲۰۱۴ء، ص ۲۲

۱۷۔ شخصی انٹرویو، شبنم قیوم، از مشتاق احمد کھوکھر، بمقام ریگل چوک سری نگر، ۹/دسمبر ۲۰۱۷ء

☆☆☆☆☆

باب دوم
شبنم قیوم کے علمی و ادبی خدمات

شبنم قیوم کے علمی وادبی خدمات

تاریخ تہذیب عالم میں وادی کشمیر کے علم وفضل اور تہذیب وتمدن کا ذکر ہمیشہ ہی سے رہا ہے۔ کشمیر کے تہذیبی حسن کو سنوارنے نکھارنے میں جہاں عوامی رجحان کا رول رہا ہے وہی اردو زبان وادب کی مٹھاس، لطافت اور حلاوت بھی پیش پیش رہی۔ یہاں کے لوگوں کی اردو زبان سے رغبت کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں مذہبی داستانوں اور شعری ادب کا اچھا خاصا سرمایہ تھا۔ اس طرح یہاں کے لوگ اردو کی طرف متوجہ ہوئے۔ لسانی اعتبار سے ریاست جموں وکشمیر کئی بولیوں میں منقسم ہے مثلاً کشمیری، ڈوگری، گوجری، لداخی وغیرہ۔ لیکن سرکاری اور تعلیمی زبان کی حیثیت سے اردو ریاست کے تینوں خطوں کے درمیان رابطے کی زبان کے طور پر کام کر رہی ہے۔ اس طرح تینوں خطوں کے باشندوں نے اس زبان کو ایک تہذیبی زبان کی حیثیت سے قبول کیا ہے۔

اردو کو ڈوگرہ حکمرانوں کے دور میں بے حد مقبولیت حاصل ہوئی یہی وجہ ہے کہ ۱۸۸۸ء میں مہاراجہ پرتاب سنگھ نے اس زبان کو سرکاری زبان کا درجہ بھی دیا۔ ملک کی واحد ریاست جموں وکشمیر ہی ہے جہاں اردو کو سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ زبان ہمیشہ اہل ریاست کے لئے توجہ کا مرکز رہی ہے۔ ربط و اختلاط کے ساتھ ساتھ ہی اردو زبان تخلیقی سطح پر بھی ابھر کر سامنے آئی۔ ریاست میں اردو کے کئی نامور شاعر اور ادیب پیدا ہوئے ہیں، جنہیں نہ صرف غیر معمولی شہرت نصیب ہوئی بلکہ ادبی دنیا میں ان کی تخلیقات کو اہل علم نے قدر کی نگاہ سے دیکھا۔ جموں کشمیر میں یوں تو اردو افسانے اور ناول کی ابتداء پریم ناتھ پردیسی کی تخلیقات سے ہوتی ہے البتہ یہاں کی افسانہ نگاری اور ناول نگاری کی تاریخ نامکمل رہے گی جب تک کہ کرشن چندر اور رامانند ساگر کا ذکر نہیں کیا جائے گا۔ پریم ناتھ پردیسی کا سفر اس وقت شروع ہوتا ہے جب ریاستی عوام مطلق العنان کی آہنی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ پریم ناتھ پردیسی کے ہم عصر کہانیاں لکھنے والوں میں قدرت اللہ شہاب، پریم ناتھ در، سالک رام سالک، رامانند ساگر، کشمیری لال ذاکر، نرسنگھ داس نرگس، ٹھاکر پونچھی اور محمد دین فوق وغیرہ کے نام قابل ذکر ہیں۔ سالک رام سالک نے اگر ایک طرف ''داستانِ جگت روپ'' اور ''تحفۂ سالک'' تصنیف کیں۔ وہیں دوسری طرف محمد دین فوق نے ''ناصح مشفق''، ''غریب الدیار'' اور ''نیم حکیم'' جیسے ناول لکھ کر ریاست میں اردو ناول نگاری

کی بنیاد بھی ڈالی۔

۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا اور اس تقسیم کے ساتھ ہی ریاست بھی بٹ گئی۔ بہت سے افسانہ نگار، ناول نگار اور شاعر پاکستان چلے گئے اور کچھ ملک کی دیگر ریاستوں میں رچ بس گئے۔ کہی قلم کاروں کے سوتے خشک ہو گئے، تقسیم وطن کے ساتھ ہی کچھ عرصہ تک یہاں کی ادبی فضاء پر جمود و تعطل طاری رہا۔ رفتہ رفتہ حالات سدھر گئے تو یہاں کے ادبی افق پر کچھ نئے چہرے ابھرے جنہوں نے اردو ادب کو ایک نئی جہت دی۔ ان میں علی محمد لون، حامدی کاشمیری، تیج بہادر بھان، پشکر ناتھ، برج پریمی، نور شاہ، محمد یوسف ٹینگ، جگ دیش بھارتی، حسن سالو، رام کمار ابرول، وید راہی اور شبنم قیوم وغیرہ کا نام قابل ذکر ہے۔ مولوی محمد الدین فوق سے پروفیسر حامدی کاشمیری تک اور پروفیسر حامدی کاشمیری سے شبنم قیوم تک بے شمار ریاستی فن کاروں نے اردو ادب کی اس صنف لازوال کو تقویت بخشی ہے۔ شبنم قیوم کی ذات میں کئی شخصیتیں پوشیدہ ہیں، وہ افسانہ نگار بھی اور ناول نگار بھی۔ شبنم قیوم نے ناول نگاری کے فن میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا ہے۔ شبنم قیوم کی ناول نگاری سے متعلق منصور احمد منصور رقم طراز ہیں:

> ''پچھلے برسوں میں ناول نگاری کے فن میں جو باصلاحیت فنکار سامنے آئے ہیں۔ ان میں عمر مجید کے علاوہ شبنم قیوم، جان محمد آزاد اور فاروق رینزو قابل ذکر ہیں۔ شبنم قیوم نے افسانوں کے علاوہ جو ناول لکھے ان میں ''زندگی اور موت''، ''انسان اور کتے''، ''جس دیش میں جہلم بہتا ہے''، ''چراغ کا اندھرا'' اور ''یہ کس کا لہو کون مرا؟'' شامل ہیں۔'' [1]

کشمیر کی سیاسی تاریخ سے انہیں بہت دلچسپی ہے اس تعلق سے ان کی کئی قابل قدر تخلیقات ہیں۔ اپنے ہم عصر لکھنے والوں میں شبنم قیوم کم تعلیم یافتہ ہیں، مگر دوسروں کی بہ نسبت وہ نہایت زود نویس ہیں۔ شبنم قیوم بڑے حقیقت پسند ہیں زندگی کے حقائق سے آنکھیں چرانا خواہ وہ کتنے بھی تلخ کیوں نہ ہوں ان کی فطرت سے بعید ہے۔ زندگی کے متعلق ان کا نظریہ بڑا صالح اور صحت مندانہ ہے اور اسی بناء پر ان کے یہاں خالی رومان اور خالی عشق کے ڈھکوسلے جو مریضانہ ذہنیت کو جنم دیتے ہیں، مطلق نہیں۔ ان کی کہانیاں دیکھیں تو ان میں انفرادیت کی جھلکیاں جگہ جگہ نظر آئیں گی اور یہ بات کسی ادیب کے فن کے لیے استحکام کی دلیل رکھتی ہے۔ ان کی فطرت کا تیکھا پن، مزاج وارفتگی اور طبیعت کا بانکپن ان کی شخصیت کے ایسے جوہر ہیں جو فنی پختگی کو جلا کر کہانی کی تقلیدی فضاء کو تاریکی میں بھی بڑی آب و تاب دکھاتے ہیں۔ اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ روایت اور انفرادیت کا اس کے یہاں متناسب اور متوازن

امتزاج پایا جاتا ہے۔اسے ہم جنون وشعور کی صحیح آمیزش بھی کہہ سکتے ہیں،انہوں نے ہر کہانی کے بنیادی کردار میں ایسی خصوصیت ابھاری ہے کہ قاری چونکے بغیر نہیں رہ سکتا۔ان کی افسانہ نگاری ملک کے متوسط طبقے کے محروم، مجبور اور مفلس ضمیر کی فریاد ہے۔اسے ہمارے ماحول کی بے چارگی ، بے بسی ، پریشانی اور تنگ دستی کا شدت سے احساس ہے۔شبنم قیوم افسردہ ماحول میں انسانیت کی خاطر شدید صدائے احتجاج بلند کرتا ہے۔ان کی کہانیوں کے گہرے مطالعہ سے ان کی تحریر صفحہ قرطاس پر ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے تازہ گوشت کے خون آلود لوتھڑے پڑے ہوں۔

شبنم قیوم اپنے سماج سے اور اپنے اردگرد کے ماحول سے افسانے کے لئے مواد حاصل کر لیتے ہیں۔ان کے افسانوں کے کردار زندہ جاوید اور موجود کردار ہوتے ہیں۔شبنم قیوم نے زندگی کے مسائل کو نہایت ہی لطیف اور پراسرار طریقوں سے بیان کیا ہے،جنہیں زندگی کے اعلیٰ ترین مظاہرے کا موجب کہا جاسکتا ہے۔ان کی ادبی انفرایت اور فنی پختگی قاری کو پہلی ہی نظر میں متاثر کرتی ہے۔ادب میں تغیر وتبدل جو نہ صرف ریاستی سطح پر بلکہ پورے برصغیر ہندوپاک میں جس رفتار کے ساتھ غالب ہورہا ہے۔شبنم قیوم نے اس سے انحراف کیا ہے اور حقیقت نگاری کو تصنع اور بناوٹ پر ترجیح دی ہے۔جس کی بدولت شبنم قیوم ماہرانہ قوت اور ولولے کے ساتھ انفرادی سمتوں کا سفر کرتے نظر آتے ہیں۔جن کے واضح نقوش ان کی تخلیقات میں ملتے ہیں۔جہاں ایک منجھے ہوئے فنکار کا فن خارجی حقیقتوں کے ساتھ داخلی قوتوں اور نفسیاتی گہرائیوں کی جستجو میں عمل وحرکت کرتا نظر آتا ہے۔

شبنم قیوم کا انداز بیان قاری کو فوراً اپنی طرف متوجہ کر لیتا ہے ان کے باطن میں جو فنکار پردہ نشین ہیں وہ انتہائی جذباتی اور حساس ہے۔یہی وجہ ہے کہ وہ حالات کے بدلتے ہوئے تیوروں کے ساتھ ساتھ مختلف طبقوں اور انسانی گروہوں کے نشیب وفراز کی واردات کو بھی پیش کرتے ہیں۔ان کا قلم الفاظ کو معتبر کردیتا ہے ہر لفظ کی ایک مکمل تصویر بن کر قاری کے سامنے آتی ہے۔آج کے اس پرآشوب دور میں نوجوان نسل جس انتشار، بے خوابی، اضطراب اور گھٹن کا شکار ہے ان کی تخلیقات میں نہ صرف اس کا اظہار ہے بلکہ اس کے لیے ہمدردی، امید اور جہد مسلسل کا پیغام بھی موجود ہے۔

شبنم قیوم کی ناول نگاری

شبنم قیوم نے ۱۸ر سال کی عمر میں ادبی دنیا میں قدم رکھا۔انہوں نے ناول نگاری کا آغاز ’’پرانی ڈگر نئے قدم‘‘ ناولٹ سے کیا۔لیکن ان کا پہلا شائع ہونے والا ناول ’’زندگی اور موت‘‘ ہے۔اس ناول کی اشاعت ۱۹۵۷ء میں ہوئی،اس وقت شبنم قیوم کی عمر تقریباً ۱۹ر سال تھی۔خورشید عالم کا ماننا ہے کہ:

''شبنم قیوم اردو ادب میں جلد ہی وہ مقام حاصل کرے گا جس کا وہ صریحاً طور پر مستحق ہے۔'' ۲؎

ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا پہلا ناول کم عمری یعنی ۱۹ رسال میں شائع ہوا۔البتہ اس ناول کا جو موضوع ہے اس کی زبان اور اس کا پیرائیہ بیان دیکھ کر کوئی یہ تصور نہیں کرسکتا کہ یہ ایک نو زائد ادیب اور وہ بھی کمسن کی تخلیق ہے۔اس ناول میں شبنم قیوم عہد حاضر میں علامتی روایت کے مستحکم ترجمان نظر آتے ہیں۔انہوں نے اردگرد کے ماحول کو لے کر اور خاص کر کشمیر کے حال کی آئینہ داری کر کے قارئین کو بے حد متاثر کیا۔اس ناول کا اسلوب نیا اور جدا تھا، کمسنی میں اردو زبان پر اتنی دسترس خال خال ہی ملتی ہے۔اسی ناول نے شبنم قیوم کو ادبی حلقوں میں متعارف کرایا۔ان کا ناولٹ ''پرانے ڈگر نئے قدم'' ۱۹۵۸ء میں منظر عام پر آیا۔یہ ناولٹ کشمیری ماحول اور اس کے مخصوص حالات سے تعلق رکھتا ہے۔''پرانے ڈگر نئے قدم'' کے بارے میں مصنف کا دعویٰ ہے کہ اس ناولٹ میں جو موضوع لیا گیا ہے۔یعنی اس ناولٹ کا جو تھیم ہے وہ ان کے مشاہدے کے ساتھ ان کے تجربے کی دین ہے۔شبنم قیوم کا ماننا ہے کہ اس ناولٹ میں جو کہانی پیش کی گئی ہے وہ اس کہانی کا کردار رہا ہے۔شبنم قیوم نے جن حالات و واقعات کی عکاسی کی ہے ان حالات و واقعات سے وہ خود بھی گزرے ہیں۔اس طرح سے اس ناولٹ میں حقیقت کا عنصر نمایاں رہا اور ناولٹ کے کرداروں نے خود کا نام بدل کر پایا۔دوسری صورت میں ایک کتاب کو آئینہ مان کر اس میں اپنا چہرہ دیکھا تو مارکیٹ سے تمام کتابوں، پورے اسٹاک کو اُٹھا کر ضائع کر دیا گیا اس کے ساتھ جب اس کتاب کے مصنف پر جان کے لالے پڑھ گئے تو انہوں نے بس اتنا بتا دیا:

> ''آپ اس ادب پارے کی حقیقت سے انکار نہیں کرسکیں گے، میں نے اس ناولٹ کے موضوع کو لے کر''پرانے ڈگر پر نئے قدموں'' کی نشاندہی کی ہے۔اس ڈگر پر چلتے ہوئے جس کے جو غلط یا صحیح قدم چلے ہیں ان کی ہم نے عکاسی کی ہے۔یہ ۱۹۵۷ء۔۱۹۵۸ء کے اس دور کی کہانی ہے۔جب وزیر اعظم بخشی غلام محمد ریاست میں سیاسی تبدیلی لانے کے اقدامات اٹھا رہے تھے اور میں خود اس کہانی کا کردار رہا ہوں۔اس آئینے میں جن کرداروں کو اپنا چہرہ دیکھنے کی تاب رہی انہوں نے آئینہ توڑ دیا اور میری کتاب ضائع کردی۔'' ۳؎

اس ناولٹ میں ریاست کے نام نہاد ہمدرد اور شرافت کا لبادہ اوڑھے ہوئے سیاست دانوں کی زندگی کو

موضوع بنایا گیا۔شبنم قیوم کے ناولوں کے کردار چلتے پھرتے انسان ہوتے ہیں جو سادہ دل کشمیریوں کو اپنے مفاد کے لئے جا بجا استعمال کرتے ہیں۔شبنم قیوم نے ۱۹۶۵ء میں ناول ''جس دیش میں جہلم بہتا ہے'' لکھا۔ظاہر ہے جہلم وادی کشمیر کا ایک نامور اور منفرد دریا ہے جو چشمہ ویری ناگ سے نکل کر شہر سری نگر سے ہوتے ہوئے بارہ مولہ کی طرف جاتے ہوئے سرزمین پاکستان کو سیراب کر کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے۔اس طرح جب ہم ''جس دیش میں جہلم بہتا ہے'' لے لیں گے تو وہ دیش کشمیر ہے۔کشمیری دیش کی سیاسی ،اقتصادی اور ثقافتی کے ساتھ تہذیبی اور تمدنی موضوع پر کہانی کا تانا بانا ہے۔اس ناول کا موضوع بھی کشمیر کی سیاسی ،سماجی اور اقتصادی پس ماندہ مفلوک الحال عوام ہے۔اس ناول کی خوبی یہ ہے کہ ناول کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری خود کو ناول کا کردار تصور کرنے لگتا ہے اور کچھ دیر کے لئے اپنے حقیقی وجود کو بھول جاتا ہے۔برصغیر کی تقسیم کے بعد ''کشمیر ایک مسئلہ بن گیا ہے''۔اس مسئلے کے مختلف رنگ وروپ ہیں،اس پس منظر کو کئی طرح سے پیش کیا گیا ہے۔ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ مصنف نے اس پیچیدہ مسئلے پر ناول لکھ کر یہاں کے تمام ناول نگاروں پر سبقت حاصل کی ہے۔اس موضوع پر بڑی ہنرمندی کے ساتھ مکمل انصاف کیا ہے۔کشمیر کے حالات وواقعات کی تبدیلیوں سے روشناس کرایا،ہاں اس میں ادبی کاوش کا بھرپور لحاظ رکھا گیا ہے۔موصوف نے پیچدار موضوع کو لے کر واقعی اسے ادب پارہ بنایا ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ وہ کس مرتبے کا فن کار ہے۔کشمیر کی زندگی سے جڑے مسائل خوبصورت انداز میں پیش کئے ہیں۔اس میں موصوف نے فلسفہ بگانے کی کوشش نہیں کی بلکہ ادب کا پورا لحاظ رکھا ہے۔شبنم قیوم کے اسلوب اور زبان و بیان کے متعلق محمد ارشاق لکھتے ہیں:

> ''زبان و بیان کے اعتبار سے بھی ان کے ناول معیاری ناول ہیں کیونکہ ناول نگار نے اپنے ماحول اور معاشرے سے منسلک زبان کو استعمال کیا ہے۔تا کہ قاری کے پڑھنے یا سمجھنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہو۔'' ۴

''ناول پیاس'' ۱۹۶۹ء میں لکھا گیا ہے اس ناول میں ایک ہی والدین کے دو (۲) اولاد یا دو (۲) بھائیوں کے درمیان مختلف سوچ اور اپروچ متضاد نظریہ اور خیالات کو لے کر جو موضوع لیا ہے۔اس میں اگر چہ کہ کوئی نیا پن نہیں کیونکہ اس موضوع پر پہلے ہی کئی ناول اور افسانے لکھے جا چکے ہیں۔اس ناول کا کینوا اس ایک کشمیری خاندان یا ایک مقامی گھرانے سے محیط ہے دو بھائیوں کے درمیان گھومنے والی کہانی کو ادبی جامہ پہنا کر پیش کرنے کے دوران مصنف نے اسے جذباتی اور احساساتی بھی بنایا ہے اور ٹریجڈی بھی۔کیونکہ اس ناول کو پڑھنے کے دوران آنسوں

روکنا محال ہے۔ یہ ناول لگ بھگ دوسو پچاس ۲۵۰ رصفحات پر مشتمل ہے۔

ناول پیاس ایک اخلاقی ناول ہے اس کا نقطۂ نظر اصلاحی ہے اس ناول میں دو بھائیوں کے درمیان فطری، اخلاقی اور نظریاتی تضاد کو بڑے فنکارانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ بات واضح کرنے کی کوشش بھی کی ہے کہ جس طرح ایک ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتی ہیں۔ اسی طرح ایک والدین کے بچے بھی اخلاق، طبیعت اور دیگر انسانی قدروں کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوتے ہیں۔

اقتصادی، سماجی اور سیاسی حلقوں میں موضوعِ بحث بننے والا ناولٹ ''چراغ کا اندھیرا'' شبنم قیوم نے ۱۹۶۹ء میں لکھا۔ سلک فیکٹری کے ساتھ وابستہ کاری گر کی کہانی اور اس کے گھریلو حالات کو موضوع بنا کر جو منظر کشی کی گئی ہے۔ اس نے شبنم قیوم کو عروج بخشا، یہ ناول ایک مثال بن گئی۔ سرکار نے سلک فیکٹری کے گھاٹے پر جانے کے وجوہات جاننے کے لیے ایک کمیشن مقرر کیا۔ اس کمیشن نے جو رپورٹ سرکار کو چھے ماہ کے اندر پیش کی۔ اس کو لے کر ریاست کے حکمران، صدرِ ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ کو سلک فیکٹری بحال کرنے کا آرڈیننس جاری کیا۔ اس طرح ناولٹ ''چراغ کا اندھیرا'' جس کی کہانی کی ہیروین ''حلیم'' نامی، ایک کشمیری خاتون تھی اور جس نے سرکار کو کٹہرے پر کھڑا کر کے اسے جواب طلب کر لیا تھا۔ وہ جواب اسی سلک فیکٹری کی بحالی صورت میں مل گیا، سرکار کا یہ فیصلہ شبنم قیوم کے ناولٹ ''چراغ کا اندھرا'' کا سہرا مان کر اس کی جو پزیرائی ہوئی وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جب ہم ''چراغ کا اندھیرا'' پڑھتے ہیں تو شبنم قیوم کی شخصیت ان کے محبت بھرے دل اخلاق اور کردار کی خوبیوں سے متاثر ہوئے بناء نہیں رہا جا سکتا۔ شبنم قیوم کی ناول نگاری کا مقابلہ دوسرے ناول کے ساتھ کرتے ہوئے محمد ارشاق یوں رقم طراز ہیں:

> ''شبنم قیوم دوسرے ناول نگاروں مثلاً سعادت حسن منٹو اور عصمت چغتائی
> کی طرح بے باک انداز میں اپنی تحریر کو پیش کرتے ہیں۔'' ۵

شبنم قیوم کا ناول ''انسان اور کتے'' میں ایک کتے کی سرگزشت کو موضوع بنایا گیا۔ یہ کتا خلا سے سرزمین کشمیر پر اترتا ہے۔ تو اس کی پہلی ملاقات ایک غریب اور مفلس اور نادار بیوہ سے ہوتی ہے۔ جس کی گود میں ایک بیمار بچہ ہوتا ہے۔ لائیکا نامی کتا اس خاتون کی حالت زار دیکھ کر اس سے حال واحوال پوچھ لیتا ہے۔ اس کتے کو خاتون کے رنج والم جان کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی سرزمین پر اتر آیا ہے۔ جہاں ناانصافی، لاقانونیت، غربت اور ظلم و جبر اولادِ آدم کا مقدر بن چکا ہے۔ چنانچہ یہ کتا اس خاتون کو ساتھ لے کر سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر اور ایوانوں میں انصاف کے لیے نکل پڑتا ہے۔ یہ وہ کام ہے جو انسانوں کو کرنا چاہیے تھا۔ کرشن چندر کے ناول ''ایک گدھے کی سر

گزشت''میں طنز ومزاح دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔جبکہ شبنم قیوم کے ناول ''انسان اور کتے'' میں طنز اور آہ زاری ہے۔انسانی قدروں کے زوال کا نقشہ شبنم قیوم نے اس ناول میں بڑی چابک دستی سے کھینچا ہے۔

''یہ کس کا لہو ہے کون مرا'' یہ ایک تسلیم شدہ امر ہے کہ شبنم قیوم اپنی کہانیوں کے لیے اپنے مادرِ وطن سے اور اپنے سماج سے مواد لیتے ہیں۔اپنے گردوپیش کا مشاہدہ لیے کر کہانی کا تانہ بانہ بنتے ہیں، چونکہ کشمیر میں ایک زمانے سے سیاسی حالات مخدوش رہے ہیں اور مخدوش سیاسی حالات نے وادیِ کشمیر کے ہر شعبے پر اس کا براہ راست اثر ڈال کر کئی سوالات کھڑے کیے ہیں۔ان میں ایک اہم سوال ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا'' ؟

ریاست جموں وکشمیر کی تاریخی اور سیاسی پس منظر میں لکھا گیا ناولٹ ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا'' کی عظمت اور شہرت کا یہ عالم ہے کہ گذشتہ چالیس سال سے یہ مسلسل شائع ہورہا ہے۔اب تک اس کی ریکارڑ توڑ سیل چالیس ہزار کی ہوچکی ہے۔اس کے کئی جعلی ایڈشن بھی نکلے ہیں جن کی تعداد کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ایک تاریخی اور سیاسی پس منظر میں ضبط تحریر میں لائی گئی،۔کہانی کی خصوصیت یہ کہ اس کے کردار زندہ جاوید ہیں اور جو کردار مرے ہیں وہ بھی اس کہانی میں زندہ ہیں اور مر کر بھی نہیں مرتے۔اب اس ناول کا نام تبدیل کیا گیا ہے مصنف کا ماننا ہے کہ ۱۹۷۵ء میں جب کشمیری قوم کے رہبر نے رہزن بن کر تحریک حق،خودارادیت سے سرنڈر کیا۔انہوں نے مطالبہ رائے شماری سے دسبرداری دے کر محض ایک اقتدار کے لیے تنزل عہدہ قبول کیا اور جس کو ایکارڈ نام دیا گیا۔اس تحریک حق وخودارادیت اور مطالبہ رائے شماری پر بائیس ۲۲/سال تک جو مزمتی تحریک چلائی گئی اس دوران ڈھائی ہزار لوگ ہوگئے۔اس تحریک سے دستبرداری دے کر جو شرم ناک اور افسوس ناک ایکارڈ کیا ہے اس نے مصنف کے سامنے سوال کھڑا کیا اس کا جواب کشمیری عوام کے لیڈر سے یوں مانگا گیا:

اے رہبرِ ملک قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے کون مرا
ساحرلدھیانوی

رہبر قوم سے یہ جواب تحریری طور پر مانگا گیا اور وہ بھی کتابی صورت میں،انہوں نے اس کتاب کو پولیس کے ذریعے ضبط کرایا مصنف کو گرفتار کرنے کے احکامات جاری کئے گئے۔اس کتاب کو دوبارہ شائع نہ کرنے کی مصنف سے ''UNDERTAKING'' لی گئی۔وقت گزرنے کے ساتھ جب سرکار کے ساتھ عوام اس معاملے کو ایک طرح سے بھول گئے تھے۔شبنم قیوم نے انڈرٹیکنگ بالائے طاق رکھ کر اس کتاب کو خفیہ طور پر شائع کرا کر جب

منظر عام پر لایا تو اس نے ایک تہلکا مچا دیا۔

شبنم قیوم نے ۲۰۱۵ء میں ناول ''پچھتاوا'' لکھا۔اس ناول کی کہانی کی حقیقت سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کیونکہ یہ کہانی اور اس کے کردار ہم خود ہیں ۔ یہ ایک جنس کے موضوع پر لکھا گیا ناول ہے اس ناول میں انٹرنیٹ ، ٹی وی ،سینما اور موبائل کے ذریعے پھیل رہی برائیوں پر شبنم قیوم نے بڑی بے با کی سے قلم اٹھایا ہے۔ناول ''پچھتاوا'' سے متعلق نثار راہی بھو پال ''شبنم قیوم ۔۔۔۔ایک حقیقت پسند فنکار، جرأت مند قلم کار'' کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں کہ:

> ''سچ تو یہ کہ شبنم قیوم نے کشمیر کے نا مساعد حالات میں اور اس کے ساتھ ترقی یافتہ سائنسی دور اور موجودہ زمانے کے ایجادات کا باریک بینی سے مشاہدہ کر کے اس کے مضر اثرات سے متاثر ہو کر ایک احتجاج کیا ہے اور قلم کار نے اس میں بھی فن کا خوب مظاہرہ کیا ہے۔فنکار نے ہمیں بتا دیا جو میں دیکھتا ہوں وہی میں لکھتا ہوں ، جو میں محسوس کرتا ہوں اس کو آپ تک پہنچا دیتا ہوں۔آپ اس کو کس اینگل سے دیکھتے ہیں، اس میں آپ کی سوچ اور اپروچ کا دخل ہے۔'' [۶]

اس ناول کا موضوع کشمیر کا ایک پنڈت گھرانا ہے جو جنس کے سیلاب میں غرق ہو جاتا ہے۔اپنے پرائے منہ پھیر لیتے ہیں اور ناول کا مرکزی کردار ''انیل رینا'' بدحالی اور کسمپرسی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔ناول ''پچھتاوا'' پڑھنے کے بعد قاری بھی ان کرداروں پر پچھتانے لگتا جن کے گرد و نواح میں یہ کہانی گھومتی ہے۔

شبنم قیوم کی افسانہ نگاری

شبنم قیوم نے کم عمری میں ہی ناول کی طرح افسانے بھی لکھے۔ان کا پہلا افسانہ ''اخبار کی سرخی'' روزنامہ سری نگر ٹائمز (سرینگر ٹائمز) میں شائع ہوا۔اب تک انہوں ایک سو سے زائد افسانے قلم بند کیے ہیں جو مختلف ادبی رسالوں میں شائع ہوتے رہے۔ان رسالوں میں ''نگارش'' امرتسر، ''بانو'' دہلی، ''گفتگو'' ممبئ ، ''تحریک'' دہلی، ''شاعر'' ممبئ، ''تخلیق'' لکھنؤ، ''شیرازہ'' سری نگر، ''سب رنگ'' آلہ آباد، ''ادبِ لطیف'' لاہور، ''نقوش'' لاہور، ''مزاج'' بھوپال، وغیرہ

ماہنامہ ''شمع'' دہلی، میں ان کا ایک افسانہ ''ٹوٹے آئینے کی پرچھائیاں'' شائع ہوا ہے۔اس کے علاوہ

شاعر ممبئی ۱۹۶۵ء میں ان کا ایک اور افسانہ ''بہت اونچے بہت نیچے'' شائع ہوا ہے اور ایک طویل افسانہ ''جہاں انسان دفن ہے'' جب پہلی بار رسالہ ''تخلیق''، لکھنؤ میں شائع ہوا تو یہ افسانہ اتنا مقبول ہوا۔ کہ اس کے ترجمے پنجابی، بنگالی، ملیالم، انگریزی اور روسی زبان میں بھی ہوئے۔ اب تک شبنم قیوم کے تین مجموعے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ پہلا مجموعہ ''ایک زخم اور سہی'' اکتوبر ۱۹۷۱ء میں شائع ہوا۔ دوسرا مجموعہ ''نشانات'' اگست ۲۰۱۰ء میں شائع ہوا اور تیسرا افسانوی مجموعہ ''آزادی کی تلاش'' کے عنوان جون ۲۰۱۵ء میں شائع ہو کر داد تحسین حاصل کر چکا ہے۔

شبنم قیوم نے جو افسانے ۱۹۶۰ء سے ۱۹۷۰ء تک تحریر کیے ان میں بعض افسانوں کو ڈرامائی روپ بھی دیا گیا۔ جو آل انڈیا ریڈیو سے نشر ہوئے ہیں۔ درجنوں افسانے آل انڈیا ریڈیو کے ہوا محل پروگرام میں ڈرامائی جھلکیوں کی صورت میں نشر ہوئے ہیں۔ چند ایک افسانوں کی ٹیلی فلمیں بھی بنی ہیں جو دوردرشن کیندر سری نگر سے ٹیلی کاسٹ ہوئی ہیں۔ شبنم قیوم ایسا فن کار نہیں جن کو یہ فن ورثے میں ملا ہو، اپنے پرائے لکھنے والوں کو اس کی تعلیم اور تحریر دیکھ کر یقیناً حیرت ہوتی ہے اور یہی حیرت ان کو شبنم قیوم کا رقیب بھی بناتی ہے۔ جس کا اعتراف ملک کے کئی نقادوں نے کیا ہے۔

پروفیسر جاوید قدوس نے شبنم قیوم کی افسانہ نگاری کے متعلق یوں لکھا ہے:

> ''ہر افسانہ فنی اعتبار سے افسانہ کہنے کا سزاوار تو ہے ہی لیکن اس کے ساتھ ہی ہر افسانہ، فسانہ سے زیادہ سچائیوں کا جیتا جاگتا مرقع بھی ہے۔ ان سچائیوں سے ہر شخص واقف ہے اور بالواسطہ یا بلا واسطہ ایسی سچائیوں کا سامنا کرتا رہا ہے۔'' ۷

شبنم قیوم کے افسانوں میں زندگی سے متعلق شاید ہی ایسا کوئی گوشہ ہو جسے انہوں نے ضبط تحریر میں نہ لایا ہو، ان کی کہانیوں میں جذبات اور احساسات کے ساتھ رشتوں کی رفاقت بھی ملتی ہے۔ انہوں نے اپنے بیشتر افسانوں میں کشمیری، کشمیری سماج اور کشمیری ماحول کو کینواس بنا کر تخلیقی تانے بانے بُنے ہیں۔ ان کے قلم میں فنی چابکدستی پائی جاتی ہے، ان کے افسانوں کے پلاٹ، کردار اور ان کے کرداروں کی نفسیات میں رنگارنگی و یکسانیت پائی جاتی ہے۔ ان کے اکثر افسانوں میں تاریخ، سماجیات، سیاسیات اور اقتصادیات کا ایک منفرد منظر نامہ ملتا ہے۔ شبنم قیوم اکثر حالات میں اپنے افسانوں میں علامتی اور استعاراتی طرز بیان اختیار کر رہے ہیں اور لگتا ہے کہ وہ اپنے کاندھوں پر معاشی اور معاشرتی مسائل کا بوجھ لیے گومتے ہیں۔ ان کی بعض کہانیوں میں طنز کے نشتر بھی محسوس ہوتے

ہیں۔وہ تخلیقی کام شعبدہ بازی کا قائل نہیں ان کا انداز منفرد ہے۔کہانیوں کے پلاٹ اور کرادروں کی نفسیات پر انہیں عبور حاصل ہے۔ان کی کہانیوں میں خالی خولی بناوٹی چمک دکھائی نہیں دیتی۔ان کی کہانیوں میں گردوپیش صاف جھلکتا ہے۔طاہر مضطر نے شبنم قیوم کے افسانوں کے کرداروں کے حوالے سے اپنی رائے کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے:

''شبنم قیوم کی کہانیوں کے بنیادی کرداروں میں ایسی خصوصیت ابھرتی ہے
کہ پڑھنے والا چونکے بغیر نہیں رہ سکتا۔'' 8

شبنم قیوم اپنے افسانوں میں حقیقت کا محل کا استعمال کرتے ہیں، وہ اپنے آس پاس کے ماحول کا مشاہدہ کرتے ہیں اور پھر وہی لکھتے ہیں جو سماج اور اردگرد کے ماحول میں اخذ کرتا ہے۔اپنے گردوپیش سے مواد لے کر مشاہدات کا حظ اٹھا کر افسانے کا تجربہ حاصل کر کے جو بھی افسانے لکھتے ہیں اس میں ان کی اور ماحول میں درپیش حالات اور واقعات یعنی زندگی سے مواد لے کر افسانہ تخلیق کرتے ہیں۔اب تک انہوں نے جتنے بھی افسانے لکھے ہیں ان میں مختلف موضوعات کو لے کر ان کی انفرادی سوچ اور اپروچ ملتا ہے۔افسانوی دنیا میں آگے بڑھتے ہوئے وہ کچھ زیادہ ہی حقیقت پسند بن گئے ہیں۔روزمرہ کے حالات اور واقعات جن کا ہم سب مشاہدہ کرتے ہیں اور جن حالات وواقعات سے ہم بھی گزرتے ہیں لیکن ان پر افسانہ لکھنا اور جیتے جاگتے کردار تخلیق کرنا شبنم قیوم کا کارنامہ مانا جائے گا۔جس کی تازہ مثال ان کا افسانوی مجموعہ ''آزادی کی تلاش'' ہے۔اس افسانوی مجموعے میں بیشتر افسانے ان حالات کی مکمل عکاسی کرتے ہیں۔جب کشمیر میں نامساعد حالات پیدا ہوگئے اور یہاں عسکری تحریک کے دوران کشمیری عوام کو کن حالات سے گزرنا پڑا، اس پورے دور کو افسانوں میں ڈھال کر ہمیشہ کے لیے زندہ جاوید بنا دیا۔حقیقی حالات اور واقعات کو افسانوی روپ دے کر شبنم قیوم نے مکمل افسانہ نگار ہونے کا بہترین ثبوت فراہم کیا ہے۔ترنم ریاض نے شبنم قیوم کی افسانہ نگاری کے متعلق اپنی رائے کا اظہار ان لفظوں میں کیا ہے:

''شبنم قیوم کی افسانہ نگاری ملک کے متوسط طبقے کے مجرم، مجبور اور مفلس
ضمیر کی فریاد ہے'' 9

''ایک زخم اور سہی''۔۔۔پہلا افسانوی مجموعہ

''ایک زخم اور سہی''، شبنم قیوم کا پہلا طویل افسانوی مجموعہ ہے۔یہ مجموعہ اکتوبر ۱۹۷۱ء کوسری نگر سے شائع ہوا۔۱۶۰ رصفحات پر مشتمل اس افسانوی مجموعے میں پانچ طویل افسانے شامل ہیں۔اس مجموعے کا پیش لفظ کرشن

چندر نے لکھا ہے:

''شبنم قیوم کو کہانی کا فن آتا ہے اور ان کے یہاں وادی کشمیر کی زندگی کا متنوع مشاہدہ موجود ہے، اور اس سے نفسیاتی طور پر جذب کرنے اور پھر فکر وفن کے سانچوں میں ڈھالنے کی قوت بھی ! وہ واقعیت ، اصلیت اور حقیقت کی عکاسی میں کہیں کہیں شاعرانہ انحراف کے قائل بھی نظر آتے ہیں۔

شبنم قیوم کے افسانوں میں درد اور تڑپ ہے زندگی کی گہرائیوں پر ان کی گہری نظر ہے۔ شبنم قیوم کی زبان اور اس کا پرایہ بیان دونوں ہی عمدہ ہیں۔ شبنم قیوم بالعموم اپنے افسانے میں قاری کی دلچسپی قائم رکھتے ہیں۔ ان کی کہانیوں کے بنیادی کردار میں ایسی خصوصیت ابھرتی ہے کہ پڑھنے والا چونکے بغیر نہیں رہ سکتا۔ وہ اپنے افسانے کو کسی ایسے موڑ پر لا کھڑا کرتے ہیں۔ جہاں پوری کہانی ایک سوال بن جاتی ہے اور خود جواب دینے کے بجائے قاری سے جواب مانگتی ہے۔''ایک زخم اور سہی''اس کی مثال ہے۔''

۱۰

ایک زخم اور سہی میں جو افسانے شامل ہیں وہ کچھ اس طرح سے ہیں:

۱۔ دسہرہ کی سیتا
۲۔ دکھتی آنکھیں
۳۔ خون آگ اور دھواں
۴۔ جہاں انسان دفن ہے
۵۔ دیوی دیوتا

افسانہ ''دسہرہ کی سیتا''، شبنم قیوم کے افسانوی مجموعہ ''ایک زخم اور سہی'' کا پہلا افسانہ ہے۔ اس میں ایک عورت کی ستم ظریفی کو پیش کیا گیا ہے۔ جس کا موضوع کشمیر پنڈت طبقے سے لیا گیا ہے، جہاں پر لوگ غلط فہمی کا شکار ہو کر ایک عورت کی زندگی کو تلخ بنا دیتے ہیں۔

عورتوں کے مسائل کو انھوں نے پوری شدت کے ساتھ پیش کیا۔ ان کے اکثر افسانوں کا موضوع عورت

کی بے بسی، لاچاری اور ستم ظریفی ہے۔عورتوں کے مسائل کو پیش کرنے میں ان کا تجربہ اور مشاہدہ بہت گہرا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں ان عورتوں کے کردار لیے ہیں، جنہیں سماج نے بہت کمزور کر کے رکھ دیا۔جن کی امنگوں اور آرزوں کو کوئی نہیں سمجھتا ہے۔ ملک کی تقسیم کے دوران عورتوں کے ساتھ جو سلوک کیا اس نے شبنم قیوم کو بہت متاثر کیا۔ چونکہ وہ لکھتے ہیں:

> ''تقسیم کے دوران، مظلوم خواتین کے ساتھ اس قسم کا اتیاچار اور زور زبردستی کے واقعات سے میرے واقعی رونگٹے کھڑے ہو گئے اور میں اس کے خلاف احتجاج کرنے لگا زبانی نہیں بلکہ تحریری، میں نے ان ظالموں، جابروں اور کمینوں کے خلاف قلم اٹھایا جنہوں نے عورت ذات کو کمزور سمجھ کر اس کے ساتھ جیسا چاہا برتاؤ کیا اور اس کو اپنی چاہت کے لئے ہوس کا شکار بنا دیا۔'' [۱۱]

عورتوں کے مسائل کو پیش کرنے کے علاوہ شبنم قیوم نے سماج میں پھیلی بدحالی، جہالت، تضاد وغیرہ جیسے بدنما داغوں کو اپنے افسانوں کا موضوع بنا کر انہیں ختم کرنے کی کوشش کی ہے۔اس بارے میں وہ یوں لکھتے ہیں کہ:

> ''میں ناول لکھتا یا افسانہ یا ڈراما عام طور پر اس کا موضوع ہمارے سماج کا وہ تضاد ہوتا جس میں امیر زیادہ امیر اور غریب زیادہ غریب بن رہا تھا۔اقتصادی بدحالی، زور ظلم اور جہالت کے خاتمے پر قلم اٹھانے پر مجھے ایسا لگتا گویا میں اپنے ملک سے ان کا خاتمہ کر رہا تھا۔'' [۱۲]

اس مجموعے کا دوسرا افسانہ ''دُکھتی آنکھیں'' ہے۔شبنم قیوم نے اس افسانے کا موضوع آج کل کے فیشن پرست زمانے سے لیا ہے۔جس میں ایک نوجوان پڑھا لکھا آدمی اپنے بوڑھے ماں باپ کو بوجھ سمجھ کر نظرانداز کرتا ہے۔انہیں اپنے سے دور رکھ کر الگ سے گھر بساتا ہے، جب کہ اس بڑھاپے میں انہیں سہارے کی ضرورت ہوتی ہے۔مگر یہ فیشن پرست زمانہ انہیں ایسا کرنے سے اس لیے روکتا ہے کہ کہیں انہیں اپنے ساتھ رکھنے سے ان کی عزت نہ گر جائے۔ جب کہ آج کا نوجوان یہ نہیں سوچتا ہے کہ آج اگر وہ اس مقام پر پہنچا ہے۔کہیں اس مقام پر پہچانے میں ان کے ماں باپ کا ہاتھ تو نہیں ہے۔ جو دن بھر تپتی دھوپ میں محنت مزدوری کر کے اپنے بچوں کو اس قابل بناتے ہیں کہ وہ سر اٹھا کر چل سکیں۔

افسانہ ''خون آگ اور دھواں'' افسانوی مجموعہ ''ایک زخم اور سہی'' کا تیسرا افسانہ ہے۔اس افسانے کا

موضوع ایک ایسے معاشرے سے لیا گیا ہے۔ جہاں پر عورت کو کمزور اور لاچار سمجھ کر اس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہے۔ ایک ایسا سماج جس میں ہم ان لوگوں کو مہان مانتے ہیں جن کا ظاہری رویہ اچھا ہوتا ہے مگر ان کے باطن کو کوئی نہیں جاننا چاہتا ہے۔ شبنم قیوم نے اس افسانے میں ان لوگوں کا پردہ فاش کیا ہے جو عورت کو اپنی ہوس کا شکار بنا دیتے ہیں۔ یہ عورت اتنی کمزور بن جاتی ہے کہ بدنامی کے ڈر سے کسی کو کچھ نہیں بتا سکتی۔

افسانہ ''جہاں انسان دفن ہے'' اس مجموعے کا سب سے طویل افسانہ ہے۔ اس افسانے کا موضوع ایک طوائف ہے جس کو اس معاشرے میں بدکردار عورت سمجھا جاتا ہے۔ جس کے بارے میں عام خیال یہ ہے کہ وہ مرد کو لذت دیتی ہے مگر اس کے اندر بھی ایک ایسا دل ہے کہ جس میں ماں کی ممتا اور شفقت ہے۔ اس افسانے کا مرکزی کردار بچپن میں ہی در بہ در کی ٹھوکریں کھاتا پھرتا ہے تو اس وقت یہی طوائف اس کے سر پر شفقت کا ہاتھ پھیر دیتی ہے اور اسے ایک ماں کی طرح اپنے سینے سے لگاتی ہے۔ اگر چہ یہ خود بری عورت تھی مگر اپنے اس منہ بولے بیٹے کو برائی سے دور رہنے کی تلقین کرتی تھی۔ وہ اسے ایک بڑا آدمی بنا کر دیکھنا چاہتی تھی، اور چاہتی تھی کہ یہ تمام برائیوں سے گریز کرے۔ اس افسانے میں ایک بیٹے اور اس کی منہ بولی ماں جو کہ ایک طوائف تھی کی محبت کو موضوع بنا کر پیش کیا گیا ہے۔ ایک ایسا بیٹا جو اپنی ساری زندگی اپنی اس ماں کی خدمت میں گزارنا چاہتا تھا اور اس ماں کے انتقال کے بعد وہ اس کی مغفرت کے لیے مسجد میں جایا کرتا ہے۔ پھر اس کی قبر پر حاضری دیتا ہے اگر چہ وہ کسی مذہب، کسی دین کو نہیں مانتا تھا۔ مگر اپنی ماں کی محبت کے لیے یہ سب کر گزرتا ہے۔

افسانہ ''دیوی دیوتا'' اس مجموعے کا آخری افسانہ ہے۔ اس افسانے کا موضوع بھی ایک عورت ہے، جو خود کو مٹا کر دوسروں کو زندگی دینے کا حوصلہ رکھتی ہے۔ وہ وفا کے جذبوں سے آشنا ہے، وہ محبت میں مٹ جانا اپنا اصول بناتی ہے۔ وہ خود زخم سہہ کر اوروں کو سکھ دیتی ہے، وفا کے نام پر ایثار کرتی ہے، یہ ایک ایسی عورت ہے جس کو اپنی غلطی کا احساس اس قدر ہو جاتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ تیاگ کر ایک ایسے نوجوان کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہو جاتی ہے جو گونگا ہے۔ مگر صفیہ کو اس کے گونگے پن کا احساس ہے کہ اگر آج یہ اس مقام پر پہنچا ہے تو اس کی ذمہ دار وہ خود ہے۔ وہ اپنے آپ کے ساتھ فیصلہ کرتی ہے کہ آج کے بعد وہ اس کی زبان بن جائے گی اور اس کے دکھ سکھ میں اس کا ساتھ دے گی۔ وہ اپنے دکھ کو خوشی اور لاچاری کو فرض جان کر نسوانیت کی ایک مثال قائم کرنا چاہتی ہے۔ شفق سوپوری نے شبنم قیوم کے حوالے سے یہ رائے قائم کی ہے:

''ان کی افسانہ نگاری کی عمر مختصر ہے اور اس مختصر سے عرصے میں وہ اپنے

افسانوں کے لیے براۓ راست، زندگی سے مواد حاصل کرنے اور فن کو جلا
بخشنے کے لیے لگاتار محنت، دلچسپی اور لگن سے یہ سفر طے کر رہے ہیں۔'' ۱۳

''نشانات''۔۔۔۔دوسرا افسانوی مجموعہ

''نشانات''، شبنم قیوم کا دوسرا افسانوی مجموعہ ہے۔ یہ مجموعہ اگست ۲۰۱۰ء میں وقار پبلیکیشن سری نگر نے شائع کیا۔ ۱۵۲ر صفحات پر مشتمل اس مجموعے میں سولہ ۱۶ر افسانے شامل ہیں۔ اس مجموعے میں شامل پہلا افسانہ ''دکھتی آنکھیں'' ہے۔ ''نشانات'' میں جو شامل افسانے ہیں ان کا نام کچھ اس طرح سے ہیں:

۱۔ دکھتی آنکھیں ۲۔ دیا جلاؤ۔۔۔روشنی بجھاؤ ۳۔ میری جوانی تیرا انعام
۴۔ مینڈک ۵۔ پھول بنے انگارے ۶۔ ساجھے داری
۷۔ لوہا پگھلتا ہے ۸۔ بہت اونچے، بہت نیچے ۹۔ چیونٹی کے پر
۱۰۔ کھوٹا سکہ ۱۱۔ آنکھیں ۱۲۔ راتوں کے اُجالے
۱۳۔ ٹوٹے آئینے کی پرچھائیاں ۱۴۔ اور میں مر گیا ۱۵۔ سہاگ اور شعلے
۱۶۔ شریف بدمعاش

اس مجموعے کے زیادہ تر افسانے عورت اور مرد کے روحانی اور جنسی رشتوں کے بننے ٹوٹنے اور ان رشتوں کی پیچیدگیوں کے گرد گھومتے ہیں۔ زندگی کی تلخ و شیریں سچائیاں بھی ان افسانوں میں بدرجہ اتم موجود ہیں۔ زباں سادہ، صاف اور رواں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شبنم قیوم اپنی بات دوسروں تک براہ راست پہنچانے میں کامیاب دکھائی دیتے ہیں۔

اس افسانوی مجموعے کے پیچھے ایک ایسی کہانی ہے جس نے شبنم قیوم کو کافی مدت تک غم میں مبتلا رکھا تھا۔ شبنم قیوم کا آبائی وطن بوچھوارہ ڈلگیٹ تھا جہاں پر وہ چار بھائی اکھٹے رہتے تھے۔ جب چاروں بھائیوں کی شادی ہوئی تو ہر ایک نے اپنا گھر بسایا۔ شبنم قیوم نے بھی چھان پورہ میں ایک مکان بنایا اور جب وہ بوچھوارہ سے چھان پورہ منتقل ہوئے تو اس وقت صرف گھریلو ضروریات کی چیزیں لائے اور اپنا ادبی لٹریچر، اپنا طبع زاد اور غیر مطبوعہ افسانے، ناول اور دوسرا لٹریچر بوریوں میں بھر کر کے وہیں رکھ دیا۔ چنانچہ ایک مدت کے بعد جب وہ اپنے پرانے گھر سے علم وادب، لٹریچر کی کتابیں، رسالے وغیرہ لانے گئے تو ان کو پتہ چلا کہ وہ سب ردی میں بک گیا ہے۔ اس بات سے شبنم قیوم کو بہت صدمہ پہنچا۔ وہ خود افسانوی مجموعے ''نشانات'' میں لکھتے ہیں:

''یہ صدمہ جان کا، عزیز اولاد کے فوت ہونے سے کم نہ تھا۔ زیادہ افسوس ان مطبوعہ اور غیر مطبوعہ ناول، ناولٹ، افسانوں اور ڈراموں کے رڈی میں فروخت کیے جانے کا ہوا۔ جن کا میرے پاس کوئی ریکارڈ نہ رہ سکا۔ کچھ رسالے ضرور بچ گئے اور کچھ تلاش بسیار کے بعد حاصل کر لیے۔ اب یہی بچے کچھ مطبوعہ افسانے کتابی صورت میں ''نشانات'' کے نام سے جمع کر سکا ہوں۔۔۔۔ان افسانوں کے بارے میں آپ کیا فیصلہ کر سکیں گے وہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔ البتہ میں یہی کہہ سکتا ہوں جو کچھ بچ گیا ہے وہی پیش کر رہا ہوں۔ ماضی کے یہ ''نشانات'' اب حال میں مستقبل کے لیے محفوظ کر رہا ہوں۔'' ۱۴

افسانہ ''دیا جلاؤ روشنی بجھاؤ'' یہ افسانہ، افسانوی مجموعے ''نشانات'' کا دوسرا افسانہ ہے۔ اس افسانے کا موضوع عورت ہے جس کو مرد کھلونا سمجھ کر اس کے ساتھ جیسا چاہتا ہے ویسا سلوک کرتا ہے۔ اس افسانے میں ایک شوہر اپنی چاہت پوری کرنے کے لیے اپنی بیوی سے ایسا کام کراتا ہے کہ وہ اپنی عزت، مان مریادا سب کھو بیٹھتی ہے۔ وہ اپنی عصمت کو شوہر کے لیے قربان کر دیتی ہے۔

''میری جوانی تیرا انعام'' کا موضوع ہندوستان کا بٹوارہ ہے جس سے ریاست جموں وکشمیر کے شاعر، ادیب، فن کار، قلم کار اور مصّور پاکستان، ہندوستان اور دنیا کے مختلف حصّوں میں چلے گئے۔ یہ شبنم قیوم کا واحد افسانہ ہے جس میں انہوں نے ملک کی تقسیم کو موضوع بنایا ہے۔ اس تقسیم سے ریاست جموں وکشمیر کے لوگ بھی تقسیم ہو گئے لیکن ان کی وہ یادیں اور ان کے کارنامے آج بھی اس ریاست میں موجود ہیں۔

افسانہ ''مینڈک'' میں جس فلسفے کو موضوع بنایا گیا ہے وہ ہے آج کا ایسا معاشرہ جس میں والدین کی پریشانیوں میں اس وقت اضافہ ہو جاتا ہے جب ان کے بچے جوانی میں داخل ہو جاتے ہیں۔ ان کو یہ خدشہ کہیں ان کے بچے اس جوانی میں کچھ ایسا نہ کر جائیں جس سے وہ کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں۔ اس افسانے ء میں ایک لڑکی کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے اور وہ اپنے والدین کی عزت بچانے کے لئے اپنی زندگی کا خاتمہ کر دیتی ہے۔

افسانہ ''پھول بنے انگارے'' میں دولت کو موضوع بنایا گیا ہے کہ جب دولت کا نشہ کسی کی آنکھوں پر چڑھ جاتا ہے تو وہ سب رشتے ناتوں کو بھول جاتا ہے۔ اسے اچھے اور برے میں تمیز کرنی نہیں آتی۔ وہ اچھائی کے بدلے برائی کا ساتھ دینے لگتا ہے اور اسے زیادہ سے زیادہ دولت کمانے کی ہوس لگ جاتی ہے۔ اس طرح سے وہ ان

چیزوں کا عادی ہو جاتا ہے جن کا اس نے کبھی گمان نہ کیا تھا۔

افسانہ ''ساجھے داری'' میں جس موجوع کو پیش کیا گیا ہے وہ آج کا ایک ایسا معاشرہ ہے جس میں پولیس جو لوگوں کی حفاظت کے لیے ہوتی ہے مگر وہ بھی لوگوں کو لوٹنے کے لیے چوروں کا ساتھ دیتی ہے۔ اس افسانے کا پلاٹ سیدھا سادہ ہے کہانی واقعات کے تسلسل سے آگے بڑھتی ہے۔ اس افسانے کا انداز بیانیہ ہے اور کہیں کہیں کرداروں کے ذریعے مکالمے بھی پیش کیے گئے ہیں۔ اس افسانے کے اسلوب میں سب سے بڑی خصوصت یہ ہے کہ پورا افسانہ اس جملے کی مدد سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ جب دونوں چور بھاگ کر حوالات میں داخل ہو جاتے ہیں اور پولیس انسپکٹر سے ایک ساتھ بولتے ہیں:

''آج ہم پکڑ لیے گئے تھے۔ یہ آپ لوگوں کی خوش قسمتی ہے کہ ہم وہاں سے چھوٹ آئے'' ۱۵

اس جملے سے پورے افسانے کا مقصد سمجھ میں آتا ہے کہ افسانہ نگار اصل میں کیا کہنا چاہتا ہے۔

افسانہ ''لوہا پگھلتا ہے'' کا موضوع بھی ایک عورت ہے۔ جو ایک مرد کے ساتھ محبت کا ڈھونگ رچا کر اس کی زندگی برباد کر دیتی ہے اور وہ اپنا بدلہ لینے کے لیے اس کا استعمال کرتی ہے۔ وہ عورت اس کو اپنے جال میں اس طرح پھنساتی ہے کہ وہ اپنے گھر والوں کو بھی اس کے لیے چھوڑ دیتا ہے۔ افسانہ ''لوہا پگھلتا ہے'' کا مرکزی کردار پوری کہانی خود اپنے قارئین کو سناتا ہے۔ اس افسانے کے اسلوب میں ایک ڈرامائی انداز ملتا ہے اور مکالمہ نگاری بھی اس طرح پیش کی گئی ہے کہ جیسے اس افسانے کے کردار اسٹیج پر آکر محوِ گفتگو ہوتے ہیں۔ اس افسانے کو انجام تک پہنچانے میں شبنم قیوم نے مہارت کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اس کا انجام اتنا پُر اثر ہے کہ قاری چونکے بغیر نہیں رہ پاتا ہے۔ اس کہانی میں افسانوی انداز برقرار رکھنے کے لیے شبنم قیوم نے جس تاثر کو پیش کیا ہے۔ وہ ہے فریب اور بے وفائی جو مرد کی طرف سے بھی سرزد ہوتی ہے اور عورت کی طرف سے بھی۔

افسانہ ''بہت اونچے، بہت نیچے'' میں شبنم قیوم نے ایک کشمیری ہانجی، جو ہاوس بوٹ کا مالک ہوتا ہے اور ایک انگریز جوڑا جو اکثر اس کے ہاوس بوٹ میں آکر کشمیر کی سیر وتفریح کا لطف اٹھاتے ہیں۔ انسانی کمزوری اور لالچ میں آکر ایسا گُل کھلنے کا انکشاف کیا ہے کہ یہ افسانہ مکمل حقیقت کا دھارن کر گیا ہے۔ اس افسانے کا موضوع انسانی لالچ ہے اور یہ لالچ اس کو اتنا بہکاتی ہے کہ وہ کسی کے امانت میں خیانت کرنے میں بھی نہیں چوکتا ہے۔ دیپک بدکی نے شبنم قیوم کے فن پر روشنی ڈالتے ہوئے اس طرح لکھا ہے:

''شبنم قیوم زہر کو قند کہہ کر معاشرے کی گندگی بڑھانا برداشت نہیں کرتے بلکہ ایک مخلص معالج کی طرح پہلے ہی قدم پر رسنے والے ناسور کا سد باب کرنا ضروری سمجھتے ہیں۔'' [16]

افسانہ ''چیونٹی کے پر'' میں ایک ایسی عورت کو موضوع بنایا گیا ہے۔ جو کسی رئیس مرد سے شادی کر کے عیش و مسرت کی زندگی گزارنا چاہتی ہے۔ اس لالچ میں وہ اپنے شوہر کو کھو بیٹھتی ہے اور ایک امیر آدمی سے شادی کر لیتی ہے۔لیکن اس کی زندگی میں ایک ایسا موڑ آجاتا ہے کہ وہ آدمی اس کو چھوڑ دیتا ہے اور وہ دربدر کی ٹھوکریں کھا کر ہمیشہ کے لیے ابدی نیند سو جاتی ہے۔

افسانہ ''کھوٹہ سکہ'' شبنم قیوم کا ایک بہترین افسانہ ہے۔اس افسانے میں شبنم قیوم نے ہمارے سماج میں پنپتے ہوئے ناسوروں کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ جو بھیکاری ہونے کا ڈھونگ کر کے لوگوں کو لوٹتے ہیں۔شبنم قیوم نے افسانے میں ان لوگوں کا پردہ فاش کیا جن سے ہمارا سماج بے خبر ہے۔اس افسانے میں بھیکارن کے بھیک مانگنے کا منظر بہت ہی خوبصورت طریقے سے پیش کیا گیا ہے۔

''آنکھیں'' شبنم قیوم کا ایک بہترین افسانہ ہے۔شبنم قیوم نے اس افسانے کا موضوع ہندوستان کی وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی آنکھوں سے لیا ہے۔اس نے ایک روز اپنی آنکھوں کے بارے میں وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد میری آنکھیں کسی حاجت مند کو دان دی جائے۔اس وصیت پر عمل تو نہیں ہوا۔البتہ شبنم قیوم نے آنکھیں نامی افسانہ لکھ کر ایک شاہکار افسانے کا جنم دیا۔اس افسانے کا ڈراما بھی ریڈیو کشمیر سے ٹیلی کاسٹ ہوا ہے۔

شبنم قیوم نے افسانہ ''راتوں کے اُجالے'' میں پہلی بار ایک نئے موضوع کو اپنایا ہے اور یہ موضوع ہے عدل و انصاف کا۔شبنم قیوم نے اس افسانے میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ عدالت ہمیشہ انصاف کا دامن تھام کر کسی بھی مقدمے کی پیروی کرتی ہے۔ یہاں رشتے ناتے کا کوئی لحاظ نہیں ہوتا ہے۔ یہ افسانہ بیانیہ انداز میں پیش کیا گیا ہے اور درمیان میں کرداروں کی آپسی گفتگو سے ایک نیا رنگ پیدا کیا گیا ہے۔زبان و بیان کے اعتبار سے بھی یہ افسانہ بہت ہی موثر ہے۔مکالمے سیدھے سادے اور روان معلوم ہوتے ہیں۔

افسانہ ''ٹوٹے آئینے کی پرچھائیاں'' کا موضوع انسان کی اندر کی کمزروی ہے کہ نہ چاہتے بھی ایک بیوی اپنے شوہر کے سامنے گناہ کرنے کا اقرار کر لیتی ہے۔اس افسانے کا پلاٹ سیدھا سادہ ہے کہانی تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتی ہے واقعات میں کہیں کوئی جھول نظر نہیں آتا ہے۔

افسانہ’’۔۔۔اور میں مر گیا‘‘ میں خودکشی کو موضوع بنا کر پیش کیا گیا ہے کہ ایک انسان خودکشی کیوں کرنا چاہتا ہے؟شبنم قیوم نے اس کو اپنے افسانے’’۔۔۔اور میں مر گیا‘‘ میں تفصیل سے پیش کیا ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ ایک شخص جو ایمان داری اور محنت سے اپنا گھر بار چلاتا ہے۔جب وہ ان لوگوں کو دیکھتا ہے جو اسے زیادہ ذہین نہیں ہوتے ہیں اور جن کی مالی حالت زیادہ اچھی نہیں ہوتی ہے۔ایک دم سے جب ان کی مالی حالت بے ایمانی اور بُرے کام کرنے سے اچھی ہو جاتی ہے۔تو وہ حسد سے جلنے لگتا ہے کہ اسے دانہ، پانی کے لیے دوسروں سے اُدھار مانگ کر خریدنا پڑتا ہے۔وہ لوگ بڑے مزے سے اپنی زندگی گزراتے ہیں۔انہیں مسائل میں اُلجھ کر وہ خودکشی کرنے کے لیے آمادہ ہو جاتا ہے۔

افسانہ’’سہاگ اور شعلے‘‘ میں دو بہنوں کے درمیان جنسی آماجگاہ کو لے کر تانا بانا بُنا گیا ہے بڑی بہن شادی شدہ ہے اور دوسری بہن کی تازہ تازہ شادی ہوئی ہے۔حالات ایسے پیدا ہو جاتے ہیں کہ بڑی بہن کو چھوٹی بہن کے لیے قربانی دینی پڑتی ہے۔اس افسانے میں پیش کیے گئے تمام مکالمے آسان، رواں ہیں اور طویل مکالموں سے گریز کیا گیا ہے۔

افسانہ’’شریف بدمعاش‘‘، شبنم قیوم کے افسانوی مجموعے’’نشانات‘‘ کا آخری افسانہ ہے۔اس افسانے میں بھی شبنم قیوم نے جنس کو موضوع بنا کر پیش کیا ہے،اس افسانے کا پلاٹ سیدھا سادہ ہے۔کہانی میں کوئی جھول نہیں ہے اور کہانی واقعات کے تسلسل کے ساتھ آگے بڑھتی ہے۔

افسانہ’’ شریف بدمعاش‘‘ کا اسلوب بہت ہی اچھا ہے۔ پورا افسانہ بیانیہ ہے اس افسانے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ افسانے میں کرداروں کے نام دیے بغیر کہانی کو بیان کیا گیا ہے۔شبنم قیوم نے اس افسانے میں آسان زبان استعمال کی ہے۔اس حوالے سے اس افسانے کا ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

> ’’اگر مجھے معلوم ہوتا میرے بڑے بھائی کی موت کے بعد مجھے اسی سے شادی کرنی پڑے گی اور شادی کے لیے وہ ایسے ہی ایک پتھر کی شرط رکھے گی ۔۔۔آپ شاید یہ کہنا چاہتے ہیں۔وہ عورت میری بھابھی ہے اور بھابھی کے ساتھ شادی کیسے کر سکتا ہوں۔ اوّل تو اس میں کوئی اعتراض نہیں ، دوسرے میں کسی اور جگہ شادی بیاہ کر کے ڈھیر سارے روپے خرچ نہیں کر سکتا، اس لیے کہ میرا اتنا گزارہ نہیں ، چونکہ یہ عورت اچھی ہے خوبصورت

ہے عمر میں مجھ سے بڑی ضرور ہے لیکن صرف ایک پتھر میں ملتی ہے۔اس کو
بھی میرے ساتھ شادی کرنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔'' ١٧

''آزادی کی تلاش''۔۔۔تیسرا افسانوی مجموعہ

شبنم قیوم کا تیسرا افسانوی مجموعہ'' آزادی کی تلاش'' ہے جو تیرہ افسانوں پر مشتمل ہے ۔اس افسانوی مجموعے کے نام کو ذہن میں رکھ کر اس کے انتساب کے ان الفاظ پر غور کیجیے:

''ان حکمرانوں اور سیاستدانوں کے نام جنہوں نے میرے وطن، جنت بے نظیر کو جہنم بنا کر،عوام کی اقتدار کو بھینٹ چڑھا کر،ان کا قتل وغارت،عتاب وعذاب،ظلم وستم،سفا کی اور بربریت کو مقدر بنایا۔'' ١٨

شبنم قیوم نے اس افسانوی مجموعے آزادی کی تلاش میں یوں تو ریاست میں ۱۹۹۰ء سے ۲۰۰۰ء تک آنے والی سیاسی ،سماجی ،ثقافتی اور معاشی تغیرات کے کسی نہ کسی پہلو کو افسانے کے قالب میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ ہر افسانہ فنی اعتبار سے افسانہ کہلانے کا سزاوار تو ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہر افسانہ، افسانہ سے زیادہ سچائیوں کا جیتا جاگتا مرقع بھی ہے۔ان سچائیوں سے ہر شخص واقف ہے اور بل واسطہ یا بلا واسطہ ایسی سچائیوں کا سامنا کرتا رہا ہے۔ لیکن کشمیر میں ایسی سچائیاں کن اسباب وعوامل کی پیدا کردہ ہیں۔کن شخصیتوں اور طاقتوں کی غلطیوں ،سازشوں اور خودغرضیوں کے نتیجے میں آج کشمیر کی خوبصورت تصویر کے ماتھے پر شکن، آنکھوں میں اُداسی ، ہونٹوں پر آہیں اور شہید اور گمشدہ اپنوں کے لیے خیر کی دعائیں چپکی ہوئی ہیں۔شبنم قیوم نے ایسے تمام سوالوں کے جوابات سے آگاہ ہونے کا دعویٰ بار بار کیا ہے۔لیکن پھر بھی شبنم قیوم اپنے قارئین سے عوام وخاص کے سامنے ایک بنیادی سوال رکھتے ہیں کہ۔

جو جوان چاقو اٹھانے کا روادار نہ تھا اس نے گن (GUN) کیوں اٹھایا ؟ شبنم قیوم نے صرف یہ سوال قائم نہیں کیا ہے بلکہ افسانوی مجموعے'' آزادی کی تلاش'' کے پیش لفظ میں اس کا جواب بھی دینے کی کوشش کی ہے۔ کچھ لوگ اس سے اتفاق کریں گے اور بعض لوگ اختلاف کیونکہ یہ جواب کشمیر سے متعلق ہندوستان کے موقف کے حق میں نہیں بلکہ پاکستان کے حق میں ہے۔شبنم قیوم کے خیالات ، جذبات اور احساس کم وبیش وہی ہیں جو تحریکِ حریت کے رہنماؤں اور علی شاہ گیلانی،عمر فاروق، یاسین مَلک ،شبیر شاہ وغیرہ کے ہیں۔شبنم قیوم کے ہی الفاظ میں:

'' جب دو قومی نظریئے کو لے کر ہندوستان کی ریاستوں کو ہندوستان یا پاکستان میں شامل ہونے کا عندیہ دیا گیا۔ ریاست جموں وکشمیر جو اس دور

میں ایک آزاد ریاست کے طور پر ڈوگرہ شاہی کی کمان میں تھی۔اس کو ایک گہری سازش کے تحت مسلم اکثریت کے ناطے پاکستان میں شامل ہونے سے الگ دکھایا گیا۔۔۔۔یہ سازش وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایک مسئلہ بن گیا۔ بین الاقوامی سطح پر اس مسئلے کا حل رائے شماری طے پایا یعنی ریاست کے عوام کو الحاق کے بارے میں رائے شماری کے ذریعے نئی رائے دینے کا حق دیا گیا۔ البتہ یہ حق بھی ہم سے چھین لیا گیا۔۔۔۔ہماری ریاست پر دونوں نوزائیدہ ممالک نے دو حصّے کر کے اس پر اپنا قبضہ جمالیا۔۔۔۔اس ریاست کو ہندوستان میں ضم کرنے کے اقدامات کئے گئے ،ہمیں جمہوری حقوق سے محروم کیا گیا، ہمارے اپنے آئین اور قانون کی بیخ کنی کی گئی ، قانون اور انصاف ہمارے لیے شجرِ ممنوعہ بنایا گیا، اپنی مرضی کے مطابق ووٹ ،اپنی مرضی کی سرکار بنانے سے روکا گیا۔۔۔۔کٹھ پتلی حکمرانوں کی داغ بیل ڈالی گئی ۔۔۔۔ہم نے احتجاج کیا تو ہمیں حراست میں لیا گیا۔۔۔۔تشدد کیا گیا۔۔۔۔ ہمارے جوانون نے اس بات کو چیلنج کے طور پر لیا۔انہوں نے بزدلی کے جامے توڑے،عزم و ہمت کا لباس پہن کر میدان کارزار کا انتخاب کیا۔ طاقت کا جواب طاقت سے دینے کے لیے عسکری دور کا آغاز کیا۔'' ۱۹

عسکریت کے آغاز کے حوالے سے شبنم قیوم نے جو دلائل اور اسباب بیان کیے ہیں ان سے قارئین کے سبھی حلقوں کا یکسان طور پر اتفاق یا اختلاف کرنا مشکل ہے۔لیکن کشمیر کے کئی اور دانشوروں ،صحافیوں ، ناول نگاروں،افسانہ نگاروں اور حریت پسند رہنماؤں کی جانب سے ہی عسکریت علاحدگی پسندی کے آغاز کے بارے میں ایسے ہی جذبات و خیالات ظاہر کیے جاتے رہے ہیں۔'' آزادی کی تلاش'' میں شامل افسانے ایسے ہی افکار و خیالات کے فنی اور جمالیاتی بیانیہ (Narrations) ہیں ۔شبنم قیوم کا یہ دعویٰ ہے کہ ان کے افسانے تخیلی اور تصوراتی قصّے کہانیاں نہیں ہیں۔ بلکہ سامنے کی زندگی اور زمانے کی تلخ حقائق کا غیر جانبدارانہ اظہار ہے۔شبنم قیوم اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

''یہ تیرہ افسانے بظاہر مختلف موضوعات کو لے کر قلم بند کیے گئے ہیں۔مگر ان

سبھی افسانوں کا احاطہ لگ بھگ ایک جیسا ہے، ہاں کینواس مختلف ضرور ہے
۔۔۔۔اس مجموعے میں جتنے بھی افسانے ہیں حقیقی حالات وواقعات پر مبنی
ہیں،ان حالات اور چشم دید گواہ ہونے کے ناطے میں نے مختلف معاملات،
حالات اور واقعات پر آرٹیکل لکھنے کے بجائے ان کہانیوں کو افسانوی
سانچے میں ڈھالنے کے لیے انہیں افسانہ بنا دیا۔ایک حقیقی واقعہ کو افسانہ
بنانے کے کچھ لوازمات ہیں اگر ان لوازمات کو پورا نہیں کیا گیا تو مضمون اور
افسانے میں کوئی فرق نہیں رہے گا۔'' [۲۰]

شبنم قیوم کے اس افسانوی مجموعے میں شامل افسانوں کے عنوانات اس طرح سے ہیں:

۱۔ آزادی کی تلاش　۲۔ لاجواب　۳۔ منادی سے دستک تک
۴۔ سزائے بالجبر　۵۔ قربانی　۶۔ حالات کے تھپیڑے
۷۔ امانت　۸۔ میں ہوں نا　۹۔ ماں
۱۰۔ تکمیل خواہش کا گناہ　۱۱۔ برات جنازے کی　۱۲۔ لہو پر لگا داغ
۱۳۔ آ گلے لگ جا

شبنم قیوم کے ان افسانوں کی فنی ،لسانی ،فکری اور جمالیاتی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا تو جا سکتا ہے۔چونکہ معلوم ہو چکا ہے کہ شبنم قیوم کا مقصد افسانہ طرازی نہیں بلکہ حقیقت بیانی ہے۔اس لیے قارئین کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ شبنم قیوم کے اُن ''کشمیر مرکز'' افسانوں کے اندر حرف بہ حرف،لفظ بہ لفظ اتر کر افسانویت نہیں شبنم قیوم کی نیت اور غرض وغائت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔اس لیے کہ کشمیر ایک مسلہ تو ہے لیکن اس مسئلہ کے مرکز سے لے کر حاشیہ تک ظلم وجبر اور قتل وغارت کی جو رنگ آمیزئیاں ہیں۔ان کا شعور حاصل کیے بغیر انفرادی اور اجتماعی آزادی کی تلاش ختم نہیں ہوگی۔

شبنم قیوم کے زبان وبیان پر طاہر مضطر نے مفصل وضاحت کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

''شبنم قیوم کے افسانوں میں درد اور تڑپ ہے زندگی کی گہرائیوں پر ان کی
گہری نظر ہے۔شبنم قیوم کی زبان اور ان کا پیرایہ بیان دونوں ہی عمدہ
ہیں۔'' [۲۱]

شبنم قیوم کی ڈراما نگاری

شبنم قیوم نے ناول اور افسانوی دنیا کے ساتھ ساتھ اردو ڈراما نگاری میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ اگر یہ کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ افسانے کے توسط سے ہی شبنم قیوم نے ڈراما نگاری میں بھی مقام حاصل کیا۔ ان کا افسانہ ''دکھتی آنکھیں'' کو کشمیری زبان میں ترجمہ کر کے شائع کیا گیا اور ڈرامے کا روپ دیا گیا۔ اس افسانے کا کشمیری نام ''اِیچھ چھم پھوران'' رکھا گیا۔ اس ڈرامے کو براڈ کاسٹ کرنے کے لیے جب ریڈیو کشمیر کے ڈرامہ سیکشن کا پیش کیا گیا تو ڈرامہ سیکشن کے پرڈوسر نے اس ڈرامے کو ڈراما فیسٹول کے لیے منتخب کیا۔ یہ وہ دور تھا جب ریڈیو کشمیر سے سال میں دو بار ڈراما فیسٹول کا اہتمام ہوتا تھا اور ڈراما فیسٹول میں شامل ڈراما کا نام اور ڈراما نگار کا تعارف فیسٹول سے ایک ہفتہ قبل اشتہاری صورت میں چھپوایا جاتا تھا۔ چونکہ اس دور میں دوردرشن کا کوئی تصور نہ تھا کشمیر میں لوگ ہر سوموار کے روز اردو اور کشمیری میں ڈراما سننے کے کافی بے تاب رہتے تھے۔ حسب پروگرام جس روز شام کے نو بجے ''اِیچھ چھم پھوران''، یعنی ''دکھتی آنکھیں'' نامی ڈراما کشمیری زبان میں کشمیری کرداروں کے ساتھ نشر ہوا۔ اس کا کئی روز اس لیے چرچا رہا کیونکہ اس ڈرامے میں کام کرنے والے کردار نام اور کام کے ساتھ موجود تھے۔ خاص طور پر سرکاری محکمہ میں کام کرنے والا ''بابو عبدالرشید'' ایک طرح سے کٹہرے پر کھڑا کیا گیا کیونکہ ان کا بوڑھا اَن پڑھ باپ جب ان سے ملنے اور دفتر میں بتانے گیا کہ تمہاری ماں سلے (CHEST PAIN) کی بیماری میں ہسپتال میں بھرتی ہو چکی ہے اور وہ مرنے سے پہلے تمہیں ایک بار دیکھنا چاہتی ہے۔ تو ان کا جواب یوں تھا کہ: ''تم جاؤ میں شام کو ماں سے ملنے جاؤں گا''

چنانچہ جب بوڑھا باپ واپس چلا گیا تو ان کے کانوں میں آواز آئی کہ ''یہ کون آپ کو والدہ سے ملنے کی ہدایت دے رہا تھا''۔ رشید سے ساتھی نے پوچھا تو اس نے جواب دیا: ''یہ ہمارے گھر کا نوکر ہے، اب بوڑھا ہو چکا ہے از راہِ انصاف اس کو گھر پر رکھنا پڑتا ہے۔'' یہ الفاظ بوڑھے باپ کے گلے کے لیے نشتر بن گئے اور وہ یہ زخم لے کر واپس اپنی شریک حیات کے پاس پہنچ گیا۔ اس کو بتایا تمہارا بیٹا رشید تم سے ملنے ضرور آئے گا، اس لیے کہ تمہاری آنکھ دکھتی ہے اپنی بیمار بیگم سے یہ بتا نہ سکا۔ رشید نے میری حالت اور میرا لباس دیکھ کر مجھے اپنے ساتھیوں کے سامنے گھر کا پرانا نوکر بنا کر پیش کیا۔ آخر میں عبدالرشید اپنے کیے پر پشتاوا کر کے اپنے والدین سے معافی مانگ کر ان کے سامنے قدم بوس ہو جاتا ہے۔

ڈراما۔۔۔"یادگار"

شبنم قیوم کا پہلا اردو ڈراما "یادگار" جو ریڈیو اسٹیشن سے نشر ہونے کے لیے لکھا گیا۔اس کو انہی لوازمات کے ساتھ ضبط تحریر میں لایا گیا جو اسٹیج ڈراما سے مختلف پیرائیہ میں لکھنا پڑھتا ہے۔ریڈیو اور اسٹیج ڈرامے کا اسلوب الگ الگ ہوتا ہے اس مختلف اسلوب کی جانکاری حاصل کرنے کے بعد پہلا ڈراما ریڈیو سے براڈ کاسٹ کے لیے لکھا تو یہ توقع نہ تھی اس کو منظور کیا جائے گا۔البتہ جب ریڈیو کشمیر سری نگر کے ڈراما پرڈیوسر کو پیش کیا گیا۔تو کہی روز تک انتظار کے بعد ڈراما پرڈیوسر سے یہ اطلاع مل گئی کہ اس ڈراما "یادگار" کو آئیندہ ماہ کے ڈراما فیسٹول کے لیے منتخب کیا گیا۔

ڈراما "یادگار" کی تھیم حقیقی واقع پر مبنی ہے۔ایک امیر گھرانے کا محمد اسلم اپنی بیوی کی زچگی کے وقت اس کو ہسپتال لے جانے کے بجائے۔ڈاکٹر صاحبہ کو اپنے گھر لانے کے لیے اپنی گاڑی میں نکل جاتا ہے۔وہاں سے تیز رفتاری سے گاڑی چلانے کے دوران مین انٹرنس کے پاس ایک بھکاری اندھا لڑکا سڑک پار کر رہا تھا۔جو گاڑی کی زد میں آ کر شدید زخمی ہو جاتا ہے اس لاوارث، اندھے اور زخمی لڑکے کو ہسپتال لے جانا، اس کی مرہم پٹی کرنا، اس کے لیے وقت صرف کرنا، اپنی بیوی کی زندگی کے ساتھ کھیلنا اس کے لیے ایک پیچیدہ مسئلہ بن گیا۔ایک لاوارث، اندھا اور زخمی لڑکا جو گاڑی سے ٹکرا کر شدید زخمی ہو گیا اس کو بچانے کے لیے انہیں خون دینا، دوپہر تک ہسپتال میں رکنا، ایکسرے کرانا اور ہسپتال میں فائنل رپورٹ تک اس کے ساتھ رہنا، ان حالات میں ان اپنی بیوی کے لیے ڈاکٹر کا انتظام کرنا، ایک سوال بن گیا ہے؟ یہی سوال اور کشمکش اس ڈرامے کی تھیم ہے۔

اس ڈرامے کا مرکزی کردار محمد اسلم ہے، اس کا رول خود پرڈیوسر پران کشور نے ادا کیا ہے۔ڈراما "یادگار" سے ریڈیو ڈراموں کا آغاز ہوا اور یہ سلسلہ برسوں تک جاری رہا۔ریڈیو کشمیر سری نگر سے ہر ہفتے شام نو بجے ایک گھنٹہ اسٹیشن کے ڈرامے اردو اور کشمیری میں نشر ہوا کرتے ہیں۔اس طرح ایک مہینے میں دو اردو اور دو کشمیری ڈرامے نشر ہوا کرتے ہیں، یہ سلسلہ آج بھی جاری وساری ہے۔

شبنم قیوم کا سفر نامہ "جو کہوں گا سچ کہوں گا"

۱۹۹۰ء کی شروعات میں ہماری تحریک آزادی میں جب عسکریت شامل ہوگئی اور اس تحریک نے پہلی بار ۵۰ رسال کے بعد کشمیر سے بھارت کو بھگا دیا۔اس کروائی کو بھارت سرکار نے چلینج کے طور پر لے کر ہماری تحریک

آزدی کو کچل کر رکھ دینے کا فیصلہ کیا۔ بھارت سرکار نے مہلک ہتھیاروں سمیت بھاری مقدار میں فوج روانہ کردی تو اس فوج نے بعض ایسے کرتوت کیے جو جنگ کے خلاف ہیں ان میں:

۱۔ خواتین کی بے حرمتی

۲۔ گھرانوں کی آتش زنی

۳۔ نوجوان نسل کو جسمانی طور پر ناکارہ بنانے کی کاروائی

۴۔ کریک ڈاون کے دوران تلاشی کی آڑ میں لوٹ کھسوٹ

''کریک ڈاون'' یہ وہ حربہ ہے جس میں پوری بستی کے لوگوں کو اپنی تحویل میں لے کر گاؤں کے کسی بڑے میدان یا کسی اسکول کے صحن میں جمع کر کے پوچھ تاچھ کی جاتی ہے اور ساری بستی کی تلاشی لی جاتی ہے۔

شبنم قیوم نے ذاتی طور پر ان قابل نکات پر کام کر کے ان کا ریکارڈ جمع کیا پھر ضبط تحریر میں لایا اور اس کو ہندوستان سرکار کے خلاف فرد جرم کے طور پر عالمی برادری تک پہنچانے کا اردادہ کرلیا۔ ہندوستان کے خلاف فرد جرم کی اشاعت کشمیر کیا ہندوستان کے کسی خطے میں ممکن نہ تھا۔

شبنم قیوم نے بیرون ملک جا کر اس فرد جرم کا فیصلہ لے لیا چناچہ یہ پروجیکٹ لے کر شبنم قیوم اپنا گھر بار، اپنے والدین بیوی بچے اور ملازمت چھوڑ کر ہجرت کر گیا۔ گھر کے لیے آمدنی کا کوئی ذریعہ ڈھونڈنے کے لیے سعودی عربیہ جانے کا اردادہ کرلیا اور وہاں سے پاکستان منتقل ہونے کا فیصلہ لیا۔ البتہ جب سعودی عربیہ کے سفارت خانے سے انہیں بتایا گیا کہ کتابی مسودوں اور فوٹوگرافوں کو چھوڑ کر آپ کاغذ کا ایک ورق بھی ساتھ نہیں لے جاسکتے، تو انہوں نے سعودی عرب جانے کا فیصلہ ترک کیا۔ حالانکہ شبنم قیوم گھر سے عرب کے لیے روانہ ہوتے ہیں البتہ دہلی سے خفیہ طور پر نیپال کا رخ کرتے ہیں۔ نیپال سے شبنم قیوم کراچی کیسے پہنچے وہ ایک الگ کہانی ہے۔ کراچی آئیر پورٹ پر انہیں ہاتھوں ہاتھ لیا گیا اور ایک دوسرے جہاز کے ذریعے راتوں رات اسلام آباد پہنچایا گیا۔ یہاں ''چک لالہ'' میں ایک کوٹھی انہیں رہائش کے لیے فراہم کی گئی اور سواری کے لیے ایک گاڑی اور خادم رکھے گئے۔ میں اپنے ساتھ جو مسودے لایا تھا ان کی اشاعت کا کام شروع کیا۔

ہجرت کے مشن پر گھر سے دہلی، دہلی سے نیپال، نیپال سے کراچی، کراچی سے اسلام آباد میں قیام تک سارے حالات قلم بند کیے۔ اس کے بعد شبنم قیوم کی ساری روزانہ سرگرمیاں، ملاقاتیں، گفتگو، آنا جانا، کھانا پینا ضبط تحریر میں لانا معمول رہا۔ دن بھر کے تمام واقعات، ملاقاتیں، بات چیت، سفر اور مسافران کے ساتھ کشمیر سے

پاکستان منتقل ہونے والی حریت کانفرس کی جملہ اکائیاں،اوران کے ساتھ رابطہ، یہ سارا کچھ شام کوسونے سے پہلے ڈائری میں لکھتے گئے۔شبنم قیوم ایک سال تک ہجرت کے دوران پاکستان میں مقیم رہے البتہ پاکستان سے سعودی عربیہ کے ساتھ جن دوسرے ممالک میں جانے کی ضرورت پڑی یا اتفاق ہوااس کوروزانہ کی ڈائری میں درج کرتے گئے۔ایک سال کی واپسی پرانہوں نے اس روزانہ کی ڈائری کوسفر نامہ مانااوراس سفرنامے کو کتابی صورت میں شائع کرنے کے لیےاس کا نام''جوکہوں گا سچ کہوں گا''رکھ دیا۔

شبنم قیوم کا کہنا ہے کہ : مسودے کواشاعت سے پہلے ایک ہم عصر ساتھی کواس کی پروف ریڈنگ کے لیے دیا، جب ہفتہ دس دنوں کے بعدوہ پروف ریڈ ینگ کر کے مسودہ لے کرمیرے ہاں آیا توانہوں نے ہم سے اس مسودے کی اشاعت سے منع کیا،ان کا عذر تھا۔سچ بولنا، سچ کہنا، سچ دکھانا تو ٹھیک ہے البتہ اس قدر سچ کا اظہار، ''آ بیل مجھے مار'' والی مثال ہے۔اتنی سچائی اورصاف گوئی ہرگز مناسب نہیں،ہم عصر کا کہنا تھا، میں نے ملکی اور عالمی سطح کے کئی سفرناموں کا مطالعہ کیا ہے۔اس کے ساتھ کئی مصنفین کی آبیتیاں بھی پڑھ لی ہیں،لیکن انہوں نے مصلحت سے کام لے کروہ بتانے اور لکھنے سے اجتناب کیا۔جوان کے لیے خطرہ پیدا کرسکتی تھی اوروہ واقعات بھی پیش نہیں کیے جن سے انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا۔آپ نے''جوکہوں گا سچ کہوں گا''میں جس سچائی کا اظہار کیا ہے اس میں آپ کی نڈرتا، بے باکی اور جرت مندی کا اظہار ملتا ہے۔البتہ اتنی سچائی،صاف گوئی اورحقیقت بیانی خطرے سے خالی نہیں،آپ کے اس سفرنامے کی اشاعت سے عمر بھر کی جیل بھی ہوسکتی ہے اورتو اورآپ کو پھانسی بھی دی جاسکتی ہے۔آپ کوشاید اندازہ نہیں آپ اپنے لیے کیا اور کتنے خطرناک حالات پیدا کررہے ہیں۔اس سفرنامے میں آپ نے پاکستان اور بیرون دنیا کی بعض شخصیات سے ملاقات، پاکستان میں، پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی۔ایس۔آئی(I S I)کےعلاوہ پاکستان کے حکمرانوں اورفوجی آفیسروں سے ملاقات اور گفتگوکوشامل کرکے،آپ خودکومجرم بنادیتے ہیں۔اس قدرشاہداورثبوت کے ساتھ حالات وواقعات اورملاقات کا اظہار نہ آج تک کسی ادیب نے کیا ہےاور نہ کرسکے گا۔لہٰذا میرا مشورہ ہے کہ اس سفرنامے کوکسی بھی صورت میں شائع نہ کریں۔

شبنم قیوم کے ہم عصر کے اس مشورے میں ان کا خلوص اور درد چھپا ہوا تھا۔البتہ شبنم قیوم کے اندر ایک جنون تھا اوراس جنون کی شدت نے انہیں خاموش رہنے نہیں دیا۔انہوں نے اپنی زندگی کے ساتھ کھیلنے کا فیصلہ کردیا۔انہوں نے بزدلی کودفنایا،ڈراورخوف کو بھگادیا اورسفرنامہ شائع کیا۔اس سفرنامے میں انہوں نے خودکوایک جج کے طور پرپیش کیا اورشروع سے آنے والے واقعات کواوّل سے آخر تک قلم بند کیا ہے۔

اس سفر نامے کی منفرد تکنیک ہے اس کا بیانیہ مختلف ہے اس کے تمام کردار زندہ جاوید ہیں۔ساری داستان تاریخی دن اور وقت کے ساتھ باری تعالیٰ کی عدالت میں بیانیہ صفائی کے طور پیش کر کے ایک الگ نوعیت پیدا کی گئی۔پوری داستان میں مسئلہ کشمیر کا پس منظر رکھا گیا ہے،قوم کی آزادی اور حقوق کی پاسداری کا مطالبہ رکھا گیا ہے۔ پوری صورت حال میں اپنے خیالات اور نظریات کو اجاگر کیا گیا ہے، دوسرے معنوں میں اپنی محکوم و مظلوم قوم کی آزادی اور حقوق کی بحالی کے لیے بھارت سرکار کے خلاف ایک محاذ کھولا ہے۔اس جنگ کے محاذ پر اپنے قلم سے دشمن کا مقابلہ کیا ہے۔

''جو کہوں گا سچ کہوں'' لگ بھگ پانچ سو صفحات پر مشتمل سفر نامہ ہے اس کی اشاعت سے لے کر آج تک اس کے بارے میں سرکاری طور پر باز پرس نہیں ہوئی،کوئی جواب طلبی نہیں اور نہ ہی کوئی ایکشن لی گئی۔سفر نامہ کافی تعداد میں فروخت ہو چکا ہے،یہ سفر نامہ ایک ایسا معاوضہ اور اعزاز ہے جس کا اندازہ بھی نہیں لگایا جا سکتا ہے۔پہلی بار یہ سفر نامہ ۱۹۹۴ء میں شائع ہوا اور اس کا دسرا ایڈشن جون ۱۹۹۹ء میں شائع ہو چکا ہے۔تب سے لے کر اب تک برابر اس کی مکمل پزیرائی ہو رہی ہے۔

شبنم قیوم کا ذاتی اخبار۔۔۔''قومی وقار''

بظاہر یہ ایک ہفتہ وار اخبار ہے اس ہفتہ وار اخبار کی اشاعت سال ۲۰۰۳ء کے آخری ایام پر عمل میں آئی اس اخبار کو جاری کرنے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ سنہ ۱۹۹۰ء کی شروعات میں جب برسوں کے بعد کشمیر کی تحریک آزادی دوبارہ شروع ہوئی اور اس میں عوامی بغاوت کے ساتھ عسکری تحریک شامل رہی پر اس تحریک آزادی میں قلمی جہات کا رول اہم رہا۔کشمیر کی تحریک آزادی اور اپنے حقوق کی بازیابی کے لیے شبنم قیوم نے گن کے بجائے قلم کا استعمال کیا۔کشمیر کی تاریخ اور تحریک کے متعلق جو کتابیں انہوں نے لکھی ان کو شائع کرانے میں کوئی خاص دقت پیش نہیں آئی۔البتہ تحریک آزادی میں پیش آئے حالات واقعات اور حادثات کے بارے میں جو آرٹیکل انہوں نے لکھے ان کی اشاعت میں دشواری پیش آئیں۔کیونکہ مقامی اور ملکی سطح پر شائع ہونے والے اخبار ان کے مالک و مدیر مصلحت کے شکار ہیں۔اس پیشے کے ساتھ ان کے مفادات وابستہ ہیں اور تو اور بیشتر اخبارات کے مدیران ڈرپوک اور بزدل بھی ہیں۔ان پر سرکاری عتاب کا ڈر اور خوف تاری ہے،لہٰذا شبنم قیوم کے حقیقت پر مبنی آرٹیکل شائع کرانے سے کتراتے ہیں۔اس بات کو مدنظر رکھ کر شبنم قیوم کو اپنا ذاتی اخبار شائع کرانے کی ضرورت پڑی۔انہوں نے ہفتہ وار اخبار شائع کرانے پر اس لیے ترجیح دی کیونکہ شبنم قیوم نے خبروں کے بجائے حالات و واقعات اور حادثات پر تفصیلی

مضامین لکھنے کی ضرورت اور مجبوری سمجھی، ''قومی وقار'' نے اس ضرورت کو پورا کیا۔

شبنم قیوم کی دیگر تصانیف

شبنم قیوم ایک کثیر التصانیف ادیبوں میں شمار ہوتے ہیں۔ان کی اب تک بہت ساری کتابیں منظر عام پر آ چکی ہیں اور ہر کتاب کو لوگوں نے پسند کیا اور بہت سراہا۔ان کی کتابوں کی تفصیل کچھ اس طرح سے ہے:

ا۔ کشمیر کا سیاسی انقلاب ۱۹۸۹ء

۲۔ سیکس پولیوشن ۲۰۰۶ء

۳۔ خواتین کی بے حرمتی ۲۰۱۰ء (تصحیح کی ضرورت)

۴۔ مفصل تاریخ تحریک کشمیر ۲۰۱۴ء

۵۔ کشمیر سیاست، سیلاب اور انقلاب ۲۰۱۵ء

۶۔ Kashmir Acession A Farce (2015)

وہ آج بھی بڑی ہنر مندی کے ساتھ لکھتے رہتے ہیں۔ان کتابوں کا مختصر سا جائزہ درج ذیل میں پیش ہے:

ا۔ کشمیر کا سیاسی انقلاب

پانچ جلدوں پر مشتمل تاریخ ''کشمیر کا سیاسی انقلاب'' جب منظر عام پر آ گئی تو تہلکا مچ گیا۔چونکہ ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا'' سے شبنم قیوم کے نام کا ڈنکہ پہلے ہی بج گیا تھا اور گھر گھر میں یہ کتاب ان کے نام کی پہچان بن گئی۔لہٰذا شبنم قیوم کے سیاسی انقلاب کو ایسی پزیرائی مل گئی جو ان کے توقعات سے کہیں زیادہ اور بہت زیادہ کامیاب کوشش ثابت ہوئی اس دستاویز کے بارے میں مقامی اخباروں میں جو تبصرے سامنے آئے اس کے مطابق اس دستاویز کو مکمل، مفصل اور مستند کی قبولیت مل گئی۔اس دستاویز کے بارے میں کہا گیا کہ یہ اس قوم پر مصنف کا ایک ایسا احسان ہے جس کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ان کو حق گو، صاف گو، نڈر، بے باک اور جرت مند ہونے کے لقب دیئے گئے۔اگر یوں کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا کہ ان کی ایسی عزت اور احترام ہونے لگا کہ نوبل انعامات حاصل کرنے والوں کو بھی ایسی خوشی اور مسرت حاصل نہیں ہوگئی جیسی خوشی شبنم قیوم کو مل گئی۔جس نے یہ دستاویز پڑی اس نے دوسروں کو پڑھنے کی دعوت دی، بعض صاحب ثروت لوگوں نے اس دستاویز کے دس پندرہ سیٹ خرید کر غیر مما لک میں رہنے والے کشمیریوں کو تحفے کے طور پر بھیج دیئے۔

جہلم ویلی کالج کے پرنسپل ریٹائیرڈ چیف انجینئر غلام مصطفیٰ شونٹھو نے پچاس سیٹ بیرون ریاست رہنے والے کشمیریوں کو تحفے میں بھیج دیئے۔اس کی اطلاع انہوں نے اس وقت شبنم قیوم کو دی جب انہوں نے انہیں دعوت کے لیے مدعو کیا۔ شیخ غلام محمد اور مُفتی معراج الدین نے اس کتاب کے بنڈل خرید کر پاکستان بھیج دیئے۔ ''کشمیر کا سیاسی انقلاب'' نے یقیناً یہاں ایک انقلاب لایا۔

نیشنل کانفرنس اور اس کے لیڈر نے تسلیم کر لیا کہ اس دستاویز کے اجراء سے لیڈر شپ کے ساتھ پارٹی کو زبردست نقصان پہنچا۔ایک وقت ایسا بھی آیا جب شیخ محمد عبداللہ کی وفات کے بعد نیشنل کانفرنس کی قیادت نے وادی کے سیاست،صحافت اور تاریخ سے جانکاری رکھنے والے قلم کاروں کی ایک میٹنگ بلائی، بارہ شخصیات پر مشتمل ان قلم کاروں سے استدعا کی گئی کہ وہ ''کشمیر کا سیاسی انقلاب'' کا توڑ کرنے کے لیے ایسی دستاویز تیار کر کے دیں جو نیشنل کانفرنس کی قیادت اور پارٹی کی ساخت بچانے اور بحال کرنے میں مددگار رہنے۔اس کے لیے انہیں معقول رقومات پیش کیے گئے لیکن کوئی اس دستاویز کا توڑ نہ کر سکا اور نہ ہی ایک بھی واقع کو غلط ثابت کرنے میں کامیاب ہوا۔

گزشتہ تیس (۳۰) سال سے یہ دستاویز برابر مطالعہ میں رہی آج بھی اس کی ویسی ہی ڈیمانڈ ہے جیسی ابتداء میں تھی یعنی اس کی ضرورت اور اہمیت برابر بڑھ رہی ہے۔

شبنم قیوم نے اس کتاب کی اہمیت کے حوالے اس خود اس کتاب میں لکھا ہے کہ:

''کم سے کم اکتیس (۳۱) مجاہدین نے مجھ سے ذاتی طور پر بتایا کہ اس دستاویز کو پڑھنے کے بعد ہم نے گن (GUN) اٹھایا اور جہاد کا راستہ اختیار کر لیا۔'' ۲۲

یہ دستاویز صرف ریاست بھر کے جیلوں میں بلکہ ملک کی دوسری ریاستوں کے جیلوں میں کشمیری قیدوں نے پڑھنے کے لیے منگوائی ہیں۔اس دستاویز کے بارے میں بعض احباب کی طرف سے یہ شکایت ضرور ملی ہے کہ اس میں تاریخی واقع قلم بند کر کے یہ حوالہ نہیں دیا گیا کہ یہ کہاں سے،کس کتاب سے،کس رسالے یا کس اخبار سے حاصل کیا گیا۔

چونکہ شبنم قیوم کوئی تاریخ دان نہیں نہ کوئی تاریخ نویسی کی تھی وہ اس فن سے واقف نہیں تھا لہٰذا انہوں نے ہر واقع کے ساتھ اس کے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا البتہ جہاں ضرورت پڑی وہاں ضرور حوالہ پیش کیا ہے۔انہوں نے تمام کتابوں رسالوں اخباروں اور دستاویز کی مکمل فہرست ہر جلد کے اختتام پر رفرینس (Refrence) کے طور پر شامل

کرلیا ہے جس کو بعض احباب نے قبول اور بعض نے رد کر دیا۔ البتہ اس ایک بات کو لے کر جنہوں نے بات کا بتنگڑا بنایا اور اس دستاویز کو غیر مستند بنایا، اس میں ان کی مجبوری مانع رہی کیونکہ وہ کسی کو اس کارنامے پر فوقیت دینا اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں اور خود کو اس میدان کا ''تیس مار خان'' مانتے ہیں۔ یہاں ایسے بھی کالم نویس ملیں گے جو خود کو اتھارٹی جان کر اپنے کشمیر کے قلم کاروں کی نگارشات کو پڑھنا اور ان پر اپنے تاثرات قلم بند کرنا ہتک سمجھتے ہیں۔ وہ صرف انگریزوں کو مانتے ہیں اور انہی پر لکھتے ہیں۔

شبنم قیوم اپنی اس کتاب کے حوالے سے دوسری جگہ یوں لکھتے ہیں کہ:

> ''مجھے اس بات پر فخر اور ناز ہے کہ میں نے کشمیر کا سیاسی انقلاب کے نام سے جو دستاویز پیش کی، اس قسم کی دستاویز اور کوئی تفصیل کے ساتھ انکشافات کے ساتھ اور پوشیدہ رازوں سے پردہ اٹھانے کے ساتھ پیش نہیں کرسکا ہے۔ اگر میں نے نئے انکشافات کیے، حیرت ناک واقعات افشاء کیے، ششدر ہونے والے راز افشاء کیے تو ان میں میرا کوئی کمال نہیں بلکہ اس کا حق ان کو ملنا چاہیے جنہوں نے مجھے خفیہ سرکاری فائلیں کھنگالنے کا موقعہ فراہم کیا۔ یہ فائلیں اب کسی کو خواب میں بھی نہیں ملیں گی، ۱۹۹۲ء میں گورنر گریس چندر سکسینہ کے دوران یہ نو فائلیں جلادی گئیں۔'' ۲۳

۱۹۹۰ء سے لے کر ۱۹۹۶ء تک وادی کشمیر میں نادر و نایاب قلمی اور شائع شدہ مواد دستاویز اور قدیم کتب سینکڑوں اور ہزاروں کی تعداد میں چھاپوں (Army Raids) کے دوران ضائع کی گئیں۔ بعض اہم دستاویزات، قدیم نسخے اور اہم مسودے خود اپنے ہاتھوں جلائے گئے۔ کیونکہ خانہ تلاشیوں کے دوران ان کی باز پرس خانہ داروں کے لیے مصیبت بن جاتی تھی۔ اس طرح کشمیر وادی ایسے نادر اور قیمتی، قلمی اہم دستاویزات اور قدیم نسخوں سے محروم ہوگیا۔ یہ ایسا نقصان ہے جس کا اندازہ بھی نہیں کیا جاسکتا، اس قیمتی نادر قدیم سرمایئے سے محروم ہونا ایک ایسی بدقسمتی ہے جس کا ازالہ نہیں ہوسکے گا۔

اس میں ''کشمیر کا سیاسی انقلاب'' کی جلد چھ (۶) کا سارا مواد بھی ضائع ہوگیا دکھ تو اس بات کا ہے۔ کہ یہ ریکارڈ جو مواد کی صورت میں کتابی شکل میں ترتیب دیا جارہا تھا۔ شبنم قیوم کی غیر حاضری میں فوج کی تلاشی کے دوران گھر والوں کو جلانا پڑا۔ اس طرح سے وہ سارے انکشافات اور اہم راز جو اس کتاب کی چھٹی جلد میں شائع ہوجاتے

ہمیشہ کے لیے نابود ہوگئے۔ ''کشمیر کا سیاسی انقلاب'' مکمل پانچ جلدیں جو۱۹۲۴ء سے لے کر۱۹۸۲ء تک کی تاریخ کا احاطہ کررہا تھا۔جس کی پانچویں جلدیں تسلسل کے ساتھ پڑھنے والے شبنم قیوم سے بار بار تقاضہ کررہے تھے۔کہ ۱۹۸۲ء سے آگئے کے حالات ہمیں اس کی چھٹی جلد کی صورت میں مل جاتی تو بہتر تھا۔چونکہ اس چھٹی جلد کا سارا مواد ضائع کردیا گیا تھا۔لہٰذا شبنم قیوم ان لوگوں کی اس خواہش کو پورا نہیں کرسکتا تھا اور نہ ہی کرسکے گا۔البتہ ۱۹۹۰ء سے یعنی عسکری تحریک کے آغاز سے لے کر اس کے انجام تک انہوں نے تحریک حریت کے بیس (۲۰) سال کے دوران مختلف موضوعات پر کئی ساری کتابیں لکھی اور منظر عام پر لائیں۔البتہ ۱۹۸۲ء سے ۱۹۹۰ء کے حالات اور واقعات کی تشنگی کو لے کر جب شبنم قیوم سے تقاضہ کیا جانے لگا تو انہوں نے آٹھ دس سال آگے جانے کے ساتھ سو سال پیچھے جانے کا فیصلہ کرلیا۔

شبنم قیوم کی یہ کتاب بھی کشمیر کی سیاسی تاریخ پر مبنی ہے۔مسئلہ کشمیر کو طے شدہ ماننے والے اور اس مسئلے کو حل طلب جانے والے دونوں اپنی اپنی جگہ صحیح ہیں۔اس لیے کہ کشمیر کی سیاست کا ملاّح ہمیشہ دو ناوؤں پر سوار رہ کر آگے بڑھنے کی تگ ودو میں رہا جس کے کارن مسئلہ متنازعہ بن گیا۔بقول ڈاکٹر جوزف کاربل:

> ''اگر کشمیر کی جنگ کسی علاقے کو حاصل کرنے کی جنگ ہوتی اگر یہ جنگ قومی وسائل، آبادی یا اہم مقامات پر قبضہ کرنے کی جنگ ہوتی یا اس کا مقصد ان فوائد کو حاصل کرنا ہوتا جن کی وجہ سے قومیں ہمیشہ سے آپس میں لڑتی چلی آرہی ہیں۔تو یہ مسئلہ کئی سال قبل حل ہوچکا ہوتا لیکن ان ساری سورتوں میں سے کوئی صورت بھی صحیح نہیں ہے۔جو چیز مسئلہ کشمیر کو ناقابل حل بناتی ہے اور دونوں متنازعہ فریقوں کے درمیان ایک تلخ کشمکش کا باعث بنتی ہے اور پھر جس چیز نے اس مسئلے کو حل کرنے کی تمام کوششوں کی تاریخ کو مایوسی، ناکامی اور جھنجھلاہٹ کی تاریخ بنا رکھا ہے۔وہ روایتی بین الاقوامی جھگڑوں میں سے قطعاًالگ ہے۔اس ساری تلخی خون خرابے اور تند و تیز تقاریر اور شک وشبے اور عدم اعتماد کی فضاء۔جو مسئلہ کشمیر کے ساتھ مخصوص ہوچکی ہے، کی اصل وجہ دو نظام ہائے حیات، سیاسی تنظیم کی دو تصورات، دو معیارات، اقدار اور دو روحانی رویئوں کے درمیان کشمکش ہے۔جو سمجھوتے سے ختم نہیں ہوسکتی۔اس تصادم اور کشمکش کا اظہار آج ایک مہلک

متنازعہ کی صورت میں ہو رہا ہے۔ وہ متنازعہ کشمیر جس کی علامت بھی ہے اور
میدان جنگ بھی۔'' ۲۴

شبنم قیوم نے اس کتاب میں بھی سیاسی اغراض ومقاصد کے حالات و جہات کو بیان کرنے کی مکمل کوشش کی ہے۔اس دستاویز میں بھی وہ نیشنل کانفرنس کی تنظیم پر طنز کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جہاں وہ کشمیری عوام پر ہو رہے مظالم کا تذکرہ پیش کرتے وہیں وہ اس تنظیم کا اصل چہرہ لوگوں کے سامنے پیش کرنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔شیخ محمد عبداللہ سے لے کر''اندرا گاندھی عبداللہ ایکارڈ'' تک اور ایکارڈ سے لے کر ڈاکٹر فاروق عبداللہ کی ظالمانہ سرکار کے واقعات عوام کے سامنے رکھنے میں کسی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔کشمیر میں چاہیے وزیر اعلی کا منصب ہو یا گورنر کا منصب اقتدار ہو غرض دونوں پہلوؤں پر بڑی جسارت کے بات کی ہے۔شبنم قیوم اس کتاب کے انڈیکس میں لکھتے ہیں کہ اس کتاب کا مطالعہ کرتے وقت آپ ان چیزوں کو ضرور پڑھیں گے:

''۱۔ مسلم کانفرس کو توڑ کر نیشنل کانفرنس بنانے میں کس کا ہاتھ تھا اور اس کے مقاصد کیا تھے ؟

۲۔ کشمیر کو ہندوستان میں شامل کرنے کے لیے لارڑ ماوینٹ بیٹن ، پنڈت نہرو اور شیخ عبداللہ نے جو سازش کی اس کے محرکات کے تھے ؟

۳۔ رائے شماری کی حقیقت کیا تھی اور اسے کس غرض سے الحاق کے ساتھ نتھی کیا گیا تھا ؟

۴۔ شیخ محمد عبداللہ کو وزارت عظمٰی کا عہد لینے کے لیے کتنی بڑی قربانی دینی پڑی ؟

۵۔ اگست ۱۹۵۳ء کا واقعہ کیوں پیش آیا اور اس کے پیچھے کون سے محرکات تھے ؟

۸۔ مسئلہ کشمیر سلامتی کونسل میں کیوں حل نہ ہوسکا اور اس کی رکاوٹ میں کس کا ہاتھ تھا ؟

۹۔ ۱۹۹۵ء کا کشمیر ایکارڈ کن حالات میں ہوا اور قومی رہنما مرکز کے ہاتھ بلیک میل کیوں ہوئے ؟

۱۰۔ کشمیر ایکارڈ سے قبل دفع (۳۷۰) کے بارے میں خفیہ معاہدہ کیا تھا؟

۱۱۔ عوامی مجلس عمل کے صدر مولوی محمد فاروق کا ظاہر اور باطن کیا ہے؟''

۲۵؎

۲۔ سیکس پولیوشن

''سیکس پولیوشن'' ایک منفرد نوعیت کی کتاب ہے جو شبنم قیوم کے قلم سے دسمبر ۲۰۰۶ء میں تحریر ہو کر منظر عام پر آ گئی۔ اس کتاب پر ادیبوں، دانشوروں، قلم کاروں نے شبنم قیوم کی بے باکی کو سراہا۔ یہاں تک کہ عام لوگوں نے کتاب اور مصنف کو بھی اپنے موثر آراء سے نوازا۔ شبنم قیوم کی بہادری، نڈرپنتی، حقیقت پسندی اور دلیری کو مبارک باد پیش کیا۔

دراصل وادی کشمیر میں بڑے پیمانے پر ایک سیکس اسکینڈل کا راز افشا ہوا۔ اس سیکنڈل میں ملوث چند لوگ گرفتار کیے گئے تھے۔ ہر طرف سے اس اسکینڈل کے خلاف غیر جانبداری تحقیقات کے مطالبے ہو رہے تھے۔ نہ صرف ملک بھر بلکہ بین الاقوامی سطح پر اس اسکینڈل کی ملامت اور مذمت ہو رہی تھی۔ سیکس اسکینڈل میں ملوث سیاست دان، وزراء، بیروکریٹ، ملٹری اور پولیس آفسران کے ساتھ ساتھ ٹھیکہ دار اور ہوٹل مالکان کے نام بھی ظاہر ہو رہے تھے۔ اس اسکینڈل میں ملوث سرکاری، آرمی، پولیس اور غیر سرکاری شخصیات کی لسٹ ۱۵۵ ر تک پہنچ گئی تھی۔ سیکس اسکینڈل میں ملوث سرغنہ خاتون کے ساتھ درجنوں لڑکیاں بھی حراست میں لے کر پوچھ تاچھ کے مرحلوں سے گزر رہی تھیں۔ نت نئے راز کھل رہے تھے اور نئے نئے انکشافات ہو رہے تھے۔ اسی دوران سیکس پولیوشن کے نام سے شبنم قیوم کی طرف یہ کتاب منظر عام پر آ گئی تو ایک تہلکہ سا مچ گیا۔ ہر جگہ اور ہر گلی میں اس کا چرچہ ہوا۔ اس کتاب کو حاصل کرنے کے لیے ایک دوڑ سی لگ گئی۔ چونکہ پہلے ہی کہا گیا ہے کہ شبنم قیوم بے باک، نڈر اور بے خوف ہو کر لکھتے ہیں۔ اس کتاب میں بھی انہوں نے ریاست کے پولیس آفیسران، وزراء گورنمنٹ اور بڑے بڑے ہوٹل مالکان کو ننگا کر دیا۔ اس سلسلے میں شبنم قیوم کو بہت ساری مصیبتیں جھیلنی پڑی۔ یہاں تک کہ گورنمنٹ ان کے جان کی دشمن ہو گئی۔ لیکن یہ باک اور نڈر لیڈر آگے بھی لکھتا گیا اور حق کی بات پر ثابت قدم رہا۔

۳۔ کشمیر میں خواتین کی بے حرمتی

ریاست جموں و کشمیر میں سب سے بڑی سیاسی پارٹی نیشنل کانفرنس مانی جاتی ہے۔ حالانکہ اس پارٹی کا وجود ریاست جموں و کشمیر کی آبادی کے لیے عموماً اور دونوں خطوں کی مسلم آبادی کے لیے خصوصاً نقصان دہ ثابت ہوا۔

نیشنل کانفرنس کی لیڈرشپ کوعوام کی اکثریت کی حمایت حاصل رہی اس کے باوجوداس پارٹی نے جوبھی کام کیااور فیصلے کیے وہ عوام کے خلاف رہے۔ یہاں تک کہ مملکت آزاداورخودمختار رہنے سے نہ صرف محروم ہوئی بلکہ یہ ریاست بن کر ہندوستان کی غلام بن گئی۔آزادی کی نعمت سے محروم ہونے کے ساتھ حقوق سے بھی محروم ہوئی نیشنل لیڈرشپ نے ہندوستان کے ساتھ ناطہ جوڑاتو نیشنل کانفرنس کے بانی صدرشیرکشمیر شیخ محمدعبداللہ کو صلے میں ریاست کی حکمرانی تفویض کی گئی۔انہوں نے اس حکمرانی کو ذاتی میراث جان کرمرنے سے پہلے اس حکمرانی کا وارث بڑے بیٹے کو بنایا۔شیخ محمدعبداللہ کو بھارت سرکار سے اختلاف ہواتو انہیں نہ صرف حکمرانی سے بےدخل کیا گیا بلکہ برسوں تک نظر بندکردیا۔بلاآخرانہوں نے بھارت سرکار کے سامنے سرنڈرکر کے اقتدار کی واپسی کے لیے تنزل عہدہ قبول کرلیا۔ان کی وفات کے بعد جب ان کا بڑابیٹا ڈاکٹر فاروق عبداللہ حکمران بنا توان کا بھارت سرکار کے ساتھ اختلاف رہا۔ان کو بھی اقتدار سے ہٹایا گیا،اقتدار سے محرومی ان سے برداشت نہ ہوسکی،ان کے ہندوستان کے وزیراعظم سے جوں توں کرکے اقتدار واپس حاصل کرلیا۔اس کا عام وخاص نے غور سے معائینہ کیا اورانہیں اس اقتدار سے بےدخل کرنے کا فیصلہ کیا۔جس اقتدارکودوبارہ حاصل کرنے کے لیے انہیں بہت سی مہمیں طے کرنی پڑیں۔فاروق عبداللہ کو اقتدار سے بےدخل کرنے کے لیے ''متحدہ محاذ'' نامی ایک تنظیم بنائی گئی جس نے اسمبلی الیکشن میں شامل ہوکراپنی طاقت کا مظاہرہ کیا۔اس طاقت کے مظاہرے نے فاروق عبداللہ کوایک طرح سے ششدرکر کے رکھا اور وہ اس اقتدارکواسمبلی الیکشن کے بعد بھی بحال رکھنے کے لیے بھارت سرکار کی حمایت حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔

اسمبلی ریکارڈتوڑ دھاندلی کرواکرفاروق عبداللہ نے ''متحدہ محاذ'' کے اکابرین اورلیڈران کوگرفتارکرواکر انہیں ملک کے مختلف جیلوں بھیج دیا۔مسلم متحدہ محاذ کے نوجوانوں کوحراست میں لیا گیاان کی انا مجروح کی گئی توانہوں نے سرکار کے خلاف جہادکرنے کا من بنالیا۔چناچہ ان کے نعروں میں مقامی لوگ قدم بہ قدم ساتھ تھے،۱۹۹۰ء کے شروعات میں عوامی بغاوت اورعسکری یلغار سے نہ صرف پوری سرکاراورمخالف حریف گرگئی بلکہ وادی سے بھاگ گئی تھی۔ان کے بھاگنے سے ہندوستان وادی کشمیر سے بھاگ گیا،ہندوستانی سرکار نےعسکریت کوخاتمہ کرنے کا فیصلہ لیااور بھاری مقدارمیں افواج کشمیربھیج دیا گیا۔اس فوج کواپنی من مانی کرنے کے اختیارات تک دیئے گئے۔افواج نےظلم کی شدت اختیارکر کے یہاں کی عورتوں کی عصمتیں لوٹ لیں۔

شبنم قیوم نے ''کشمیرمیں خواتین کی بےحرمتی'' کے نام سے کتاب لکھ کران چیزوں کو پردہ خفا سے اٹھا کر آشکار کیا۔وہ اس کتاب کا سارامواد لے کرہجرت کرگئے پہلے مرحلے میں نیپال اور پھر پاکستان جاکر ''کشمیر میں

خواتین کی بے حرمتی'' نامی دستاویز کی اشاعت کرائی۔انہوں وادی کشمیر کا سروے کر کے متاثرہ خواتین اورلڑکیوں سےمل کران کے فوٹوگراف بھی لیے۔اس سروے کے دوران جن خواتین نے جنسی زیادتی کا شکار ہوکر نہ اپنا دکھڑا بیان کیا اور نہ اپنا فوٹو کھینچنے دیا۔ان کواس کتاب میں شامل نہیں کیا گیا،انفرادی اوراجتماعی آبروریزی کے جوواقعات اورحادثات رونما ہوچکے ہیں وہ لگ بھگ ایک سو کےقریب ہیں۔چھوٹی بچیوں،کنواری لڑکیوں،شادی شدہ عورتوں اور بیواؤں کی تعداد ساڑھےسات ہزارتک ہے۔یہ مکمل تفصیل شبنم قیوم نےقلم بند کر کے منظرعام پرلائی۔

اگرغور سے مطالعہ کیا جائے تو شبنم قیوم کی ہرایک تفصیل مکمل اورمستند ہے۔کیونکہ کشمیر میں ایسی ہزاروں مثالیں دیکھنے کوملتی ہیں جہاں بھارتی افواج کے ذریعے عورتوں کی عصمتیں تارتار ہوئیں ہیں۔تاریخ کا ایک سیاہ واقعیہ اسی ریاست سے منسلک ہے۔وہ خوفناک رات جوآج بھی کشمیر کےلوگ یاد کر کے اپنی آنکھوں سے اشک باراں ہوتے ہیں۔اس حوالے سے بی۔بی۔سی اردو نیوز کی یہ رپورٹ درج ہے:

''۲۳رفروری ۱۹۹۱ء۔انڈیا کے زیرانتظام کشمیر کےضلع کپواڑہ کے دو چھوٹے سے گاؤں ''کنن''اور''پوشپورہ'' میں اس رات ہندوستانی افواج گھس کر گاؤں کے تمام بچوں،جوانوں،مردوں اور بوڑھوں کوحراست میں لےکرگاؤں سے دورایک میدان میں جمع کرتی ہےاورپھرفوج گھروں میں گھس کر یہاں کی تمام عورتوں،جن میں سات سال کی بچی سے لےکراسی سال کی بزرگ عورت تک کواپنی ہوس کا نشانہ بناتی ہے'' ۲۶

اس واقعے پر ہزاروں ڈاکومینٹری اور لاتعداد کتابیں لکھی گئی ہیں۔کشمیری زبان،اردوزبان،انگریزی زبان کےعلاوہ بین الاقوامی سطح کی کئی زبانوں میں اس پردستاویزات تیار کیے گئے۔تاریخ کے اس شرمناک واقعے کے چشمہ دیدگواہ آج بھی موجود ہیں۔پھربھی عدالت عالیہ میں اس سیاہ اورشرمناک واقعے کو ہر بارنظرانداز کیا جاتا ہے یہاں تک کہ انصاف کی کرن دوردور تک کہیں نظرنہیں آتی ہے۔ایسا ہی ایک اورشرمناک حادثہ ضلع شوپیان میں بھی پیش آیا جہاں ایک نئی نویلی دلہن اوراس کی نندا پنے ہی سیب کے باغ میں دن دھاڑے ہندوستانی افواج کی ہوس کا شکاربن گئی اوران کی عصمت تارتار کی گئی۔اس حادثے کوخودکشی کا معاملہ بنا کر پیش کیا گیا اورکیس کورفع دفع کیا گیا۔کرشن چندر نےشبنم قیوم کے کہانی پن کےحوالے سے یوں کہا ہے:

''شبنم قیوم کوکہانی کا فن آتا ہےان کے ہاں وادی کشمیر کی زندگی کا متنوع

مشاہدہ موجود ہے۔'' ۲۷

۴۔ مفصل تاریخ وتحریک کشمیر

''مفصل تاریخ وتحریک کشمیر'' کتاب ایک تاریخی نوعیت کی کتاب ہے جو کشمیر کی سیاسی حالت پر مبنی ہے۔ اس کتاب میں پورے ساڑھے سات سو سال کی حکمرانی کے ادوار کو جامع اور مستند طور پر پیش کیا گیا ہے۔ شبنم قیوم نے ڈوگرہ دور سے لے کر نیشنل کانفرنس کے صدر ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے دور تک تاریخی واقعات پر تنقید، تبصرہ، تجزیہ اور اہم واقعات کا پس منظر واضع کیا ہے۔

شبنم قیوم نے اس تاریخی کتاب کے حوالے سے اپنی فکر و نظر کو اس انداز میں بیان کیا ہے:

> ''عام تاریخ کی کتابوں میں ایسا نہیں ہوتا، کئی تاریخی کتابوں کا مطالعہ کرنے کے دوران مجھے یہ ماننا پڑا یہ مصلحت کو لے کر لکھی گئی ہیں۔ حقائق کو چھپانے کی کوشش کی گئی ہے حتیٰ کہ غلط بیانی سے بھی کام لیا گیا ہے۔ کسی بادشاہ، حکمران، گورنر، وزیر اور سیاست دان کی بے جا تعریفیں یا غیر ضروری نکتہ چینی کی گئی ہے۔ بعض تاریخی کتابوں میں ارباب اختیار کی خوشنوی حاصل کرنے کے لیے، ان کی تعریفیں کی گئیں ہیں۔ بعض کتابوں میں اپنی پسند اور ناپسند کا پورا خیال رکھا گیا ہے۔'' ۲۸

حالاں کہ تاریخ، تاریخ نویس کے ہاں ایک امانت ہوتی ہے اگر اس امانت کے ساتھ ذرا سی بھی خیانت کی گئی، مصلحت سے کام لیا گیا، اپنی پسند ناپسند کا خیال رکھا گیا اور کسی کی خوشنودی اور کسی کی ناراضگی کا لحاظ رکھا گیا تو تاریخ مسخ ہونے کا احتمال ہے۔ لہٰذا جو تاریخ کو کسی بھی صورت میں مسخ کرے گا اس سے بڑھ کر کوئی اور گناہ گار ہو ہی نہیں سکتا۔ تاریخ نویسی کے لیے ایمانداری شرط اولین جو بھی تاریخ نویس ذرا سی بھی بے ایمانی جان بوجھ کر کرے گا وہ بڑا ظالم ہوگا ایسے شخص کو قاتلوں کے ساتھ گنا جاسکتا ہے۔ ظاہر ہے ایسے گنہگاروں ظالموں کی خطائیں نسل در نسل منتقل ہو جاتی ہیں۔ ایسے گنہگاروں ظالموں اور قاتلوں کی تاریخی کتابوں میں درج حالات اور واقعات کو ماخذ کے طور پر جو پیش کرتا ہے وہ انجانے میں ہی خطا کار کا شریک بن جاتا ہے۔

اپنی پسند اور ناپسند کے مطابق کسی کی پگڑی اچھالنا اور کسی کی بے وجہ تعریفیں کرنا دونوں صورتوں میں یہ جائز نہیں ہے اور اسی طرح کسی کی خطا یا قصور کو چھپانا بھی ادب کا تقاضہ نہیں ہے۔ لہٰذا تاریخ نویس کو تاریخی دستاویز

مرتب کرتے وقت ان عیبوں سے بچنا چاہیے۔ کیونکہ یہ عیب محدودنہیں رہتا بلکہ منتقل رہتا ہے اور پھیلتا رہتا ہے۔ یہ نظریات،لوازمات صحافت کے لیے بھی لازمی ہیں۔کئی ایسے صحافی بھی ہیں جو مصلحت سے کام لیتے ہیں اور بزدلوں کی طرح ڈرتے ہیں۔لیکن کچھ ایسے بھی ہیں جو نامساعد حالات میں بھی اپنے پیشے کی لاج رکھے ہوئے ہیں اور ایمان کی حد تک اس پیشے کی حفاظت کرتے ہیں۔

شبنم قیوم نے اس تاریخی دستاویز میں مصلحت سے بالاتر ہو کر ڈر اور خوف بالائے طاق میں رکھ کر حقائق کے اظہار میں کسی کی رورعایت نہیں کی اور نہ کسی کی پگڑی اچھالی ہے۔اس کتاب کے مطالعے سے خود محسوس ہوجاتا ہے کہ انہوں نے حقائق کو چھپانے کے بجائے ان کو اجاگر کرنے کی کوشش کی ہے۔شبنم قیوم ریاست کی نسلی حکومت پر اس طرح تنقید کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''مجھے یہ کہنے میں کوئی عار نہیں ۱۹۳۰ء سے لے کر جب سے شیخ محمد عبداللہ سیاسی میدان میں اتر آئے ہیں اور پھر حکمران بن کر رحلت فرمانے تک ریاست کی سیاست اور حکمرانی پر حاوی رہے۔میرا اپنا اندازہے کہ اگلی دو نسلوں تک وہ تذکرے میں رہیں گے۔ ان کی دوسری نسل ریاست پر حکمرانی کر چکی ہے۔اس طرح مرحوم شیخ محمد عبداللہ اور ان کا خاندان کشمیر کی سیاسی حکومت کے ساتھ جڑے رہنے کے سبب تاریخ کے ساتھ منسلک ہیں اور جب تک تاریخ موجود ہے۔اس خاندان کے کارنامے اور کرتوت موجود اور محفوظ رہیں گے۔تاریخی کتابوں اور مستند دستاویزوں کے ساتھ شیخ محمد عبد اللہ کی سیاسی اور حکمرانی کے دور کا مشاہدہ کرنے سے میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں۔کہ اگر شیخ محمد عبداللہ سیاست میں نہ لائے گئے ہوتے تو کشمیر کی تاریخ بالکل مختلف ہوتی۔کشمیر ایک آزاد اور خودمختار مملکت ہوتی۔اگر آج کشمیر غلام اور محتاج ہے تو اس کے واحد ذمہ دار شیخ محمد عبداللہ ہے۔کشمیری قوم کو ہندوستان کا غلام بنانا اور آزادی کی نعمت سے محروم کرنا شیخ محمد عبداللہ کی تاریخی غلطی ہے۔'' ۲۹

کشمیری مسلمان جو برسوں سے خون میں لت پت ہیں،عزیز جانیں لٹا رہیں ہیں،عزت وآبرو گنوا رہے ہیں،تشدد میں جی رہے ہیں یہ انہی سیاسی لیڈروں کی دین ہے۔ ہندوستان سے ان کا رشتہ صرف اور صرف اقتدار کا

ہے۔جب کسی وجہ سے یہ اقتدار نہیں رہتا تو آزادی،حق اور رائے شماری کے مطالبے دہرائے جاتے ہیں ہندوستان سرکار سے شکواہ کیا جاتا ہے تمہیں اور کتنے کشمیریوں کا خون چاہیےاور تم کب تک کشمیریوں کا خون بہاؤ گے،آزادی ہمارا پیدائشی حق ہے۔

> ''اس کتاب میں شبنم قیوم کے مطابق ان کی کہی ہوئی ایک ایک بات حق پر مبنی ہے۔ان کا دعویٰ ہے کہ اگر کوئی شخص مجھے اس دستاویز میں غلط بیانی کا مرتکب ثابت کرئے گا۔تو میں یہ ذمہ داری قبول کر کے اس کا ازالہ کروں گا کیونکہ جس بات کو میں گناہ سمجھتا ہوں۔اس گناہ کا خود ارتکاب نہیں کر سکتا۔'' ۳۰

۵۔ کشمیر سیاست،سیلاب اور انقلاب

اپریل ۲۰۱۴ء میں ہندوستان کی کانگرس حکومت کا پچاس سالہ دور ختم ہوا اور اس طرح ملک بھر میں کانگرس کا سیاسی سورج ڈوب گیا۔دو سال کے انتظار کے بعد ہندوستان کی ایک کٹر فرقہ پرست اور متعصب پارٹی راشٹریہ سینگ سگھ (R S S) کی ذیلی شاخ (B J P) کو ملک پر حکمرانی کا چانس مل گیا۔تو اس پارٹی نے اپنا ایجنڈا روبہ عمل لایا۔

یہ وہ دور تھا جب وادی کشمیر میں بھارت سے چھٹکارہ پانے کے لیے تحریک آزادی جوبن پر تھی۔عسکری تحریک کا عروج تھا،کانگرس سرکار کشمیر کی تحریکِ آزادی کے ساتھ عسکری تحریک کو کچل کر رکھ دینے میں ناکام ہوئی تھی۔حالاں کہ کانگرس سرکار نے اس تحریک کو کچلنے کے لیے جدید ہتھیاروں سے لیس آٹھ لاکھ پر مشتمل فوج کشمیر راونہ کردی ۔ اس فوج کو سب کچھ کرنے یعنی خصوصی اختیار افسپا (AFSPA: Armed Forces Special Powers Act) کا قانون دیا گیا۔ان اختیارات میں قتل و غارت،لوٹ مار،بستیوں کی مسماری، گھروں اور اداروں کی آتش زنی،خواتین کی آبرو ریزی،نوجوانوں کی بے وجہ گرفتاری،ظلم و جبر،تشدد اور قید و بند وغیرہ سب شامل تھا۔

بندنام زمانہ بیروکریٹ جگھ موہن بحثیت گورنر بنائیے گئے۔انہوں نے عہدہ سنبھالتے ہی قتل وغارت کے ساتھ لوٹ مار شروع کردی یہ سلسلہ برسوں تک چلا البتہ تحریک آزادی نہ کچلی جاسکے اور نہ ہی عسکریت کا خاتمہ ہوسکا۔ یہاں تک کہ ۲۰۱۴ء میں ریاست میں بی جے پی نے اپنا ایجنڈا لے کر کام کیا اسی سال ستمبر کے مہینے میں

ریاست جموں وکشمیر میں ایک خطرناک سیلاب آیا۔اس سیلاب نے ڈیڑھ سو سال کے قبل آنے والے تباہ کن سیلاب کا ریکارڑ توڑ دیا۔ستمبر کے اس سیلاب نے اگر چہ جانی کم البتہ مالی نقصان سے لوگوں کو خاک پر بیٹھا دیا۔اس حد تک مالی نقصان ہوا جس کا حساب لاکھوں اور کروڑوں میں نہیں لگایا جاسکتا۔ان گنت مکانات اور کوٹھار بہہ گئے ، مال متاح ڈوب گیا،صدیوں کا اثاثہ سیلاب میں ڈوب گیا۔لاکھوں کی تعداد میں کتابیں ودستاویزات،مسودے اور قلمی تحریریں ضائع ہوگئیں ۔ پوری وادی لگ بھگ تین ماہ تک پانی میں ڈوبی رہی ، پانی آہستہ اترنے لگا،رفتارِ زندگی شروع ہوگیا،اس دوران ریاستی اسمبلی کی معیاد پوری ہوئی۔تو مرکز میں بھاجپا سرکار نے ریاست میں اسمبلی انتخابات مارچ کے مہینے میں کرانے کا فرمان جاری کیا۔

سچ تو یہ ہے کہ ابھی کشمیری عوام سیلاب کے صدمے سے باہر نہیں نکل پایا تھا۔ بھاجپا سرکار نے الیکشن مہم تھوپ دی۔ان حالات میں جب ہم پوری طرح ابھی سنبھل بھی نہیں پائے تھے۔الیکشن ہم پر مسلط کیا گیا یہ الیکشن مہم ہمارے لیے سیلاب کے بعد طوفان سے کچھ کم نہ تھا۔مرکز میں بی۔جے۔پی کے ہوتے ہوئے ریاست کے الیکشن پر اس پارٹی کا دبدبہ جاری رہا۔بی۔جے۔پی نے پہلی بار ریاست کے اسمبلی الیکشن میں شامل ہوکر جموں صوبے کی ۲۵ سیٹیں حاصل کیں۔البتہ وادی کشمیر کی ایک سیاسی پارٹی (P C) کی دو سیٹوں پر ان کی گرفت رہی۔اس سے بھارتیہ جنتا پارٹی ریاست میں کولیشن سرکار میں شامل ہونے کا موقع ملا۔بی۔جے۔پی نے جموں وکشمیر کی سیاسی پارٹی (P D P) سے ملی جلی سرکار بنالی۔البتہ سارے اختیارات اپنے ہاتھ میں رکھ کر پی۔ڈی۔پی کو ایک طرفہ کر دیا۔ریاست جموں وکشمیر پر پی۔جے۔پی کو حکمرانی کا موقع مل گیا۔اس پارٹی نے اپنا ایجنڈا روبہ عمل لایا۔چونکہ بی۔جے۔پی کا ایجنڈا ریاست کے عوام خاص طور پر مسلم آبادی کے خلاف ان کا دشمنانہ برتاؤ ہے۔

۶۔ ﴿ KASHMIR ACESSION A FARCE ﴾

جہاں شبنم قیوم ناول،افسانے اور ڈرامے لکھنے میں مہارت رکھتے ہیں۔وہیں شبنم قیوم تاریخ کے قائل بھی ہیں اور تاریخ پر دسترس بھی رکھتے ہیں۔انہوں نے انگریزی میں کشمیر ﴿KASHMIR ACESSION A FARCE﴾ کے نام سے تاریخ پر مبنی یہ کتاب لکھی۔۲۰۱۵ء میں وقار پبلیکیشنز نے اس کتاب کو شائع کیا،شبنم قیوم نے یہ کتاب رام چندر کاک کے نام منسوب کی۔رام چندر کاک کے بارے میں شبنم قیوم لکھتے ہیں کہ:

"Flag bearer of jammu and kashmir,who

refused to bow down before the viceroy of

india,lord mountbatten and denied to be beguiled by mohandas karamchand Gandghi and suffered humiliation of Sheikh Mohmmad Abdullah ."(31)

مجموعی طور پر دیکھا جائے تو شبنم قیوم ۲۷راکتوبر ۱۹۴۷ء میں کشمیر اور ہند و پاک کے درمیان ہوئے معاہدے کو بے بنیاد اور جعلی سمجھتے ہیں اس حوالے سے شبنم قیوم لکھتے کہ:

" The acession papers shown by india till date are fake,it may be surprising,but it is the fact,instead Maharaja Hari singh on 27 october 1947 signed a conditional deal with three conditions including Defense,Commmunication and external affairs." (32)

شبنم قیوم کا کہنا ہے ہندستان آج تک اس معاہدے کے جالی دستاویزات پیش کر سکا، ہندوستان کے پاس اگر صحیح دستاویزات ہوتے تو شاید ہزار بار پیش کر چکے ہوتے۔ وہ اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

" As india is neither revealing the contuent of agreement on 27-october nor is accepting that instead they produce a fake acession document and consider kashmir its intergal part through that document." (33)

شبنم قیوم جواہر لال نہرو، شیر کشمیر شیخ محمد عبداللہ اور لارڑ مونٹبیٹن کو اس سازش کے ذمہ دار ٹھراتے ہیں اور اس جعلی معاہدے کو تینوں کی ملی بھگت سمجھتے ہیں۔ شبنم قیوم اس بات کا بھی ثبوت پیش کرتے ہیں کہ جموں و کشمیر کے لوگوں کو ریاست میں امن کے بعد رائے شماری کر کے اپنی تقدیر کا فیصلہ کرنا تھا۔ اس سلسلے میں لارڑ مونٹبیٹن کا ایک خط

جوانہوں نے مہاراجہ ہری سنگھ کے جواب میں لکھا ہے ملاحظہ ہو:

" My dear Maharaja sahab"

"your excellency communique conveyed by MR VP Menon was viewed and with due regard of the conditions needed by your excellency,state of jammu and kashmir with the union of india.it has remained the policy of my govt .that wherever acession of a state to one or the other dominion is a matter of dispute ,the people of state will,take the final decision.keeping in view,my govt wishes to make that as soon as peace is established in kashmir and the land is freed of invaders,the decision of people of the state to join either of the dominion will be decided in a referrendum. presently order have been issued in response to your excellency appeal for military help,and forces dispatched to join your forces in helping to protest the lives,possesions and honour of the people.i and my govt.are satisfied to know that you have invited S.M Abdullah to form the govt." (34)

with best wishes

mount batten

محترم نور شاہ وادی کے نامور افسانہ نگار اور ڈراما نگار نے اپنی کتاب ''جموں وکشمیر کے افسانہ نگار'' میں شبنم قیوم کے متعلق یوں لکھا ہے:

''شبنم قیوم کے فن کو ایک لمبے عرصے تک نظر انداز کرنے کے بعد خوش قسمتی سے اب کئی جانب سے انہیں سمجھنے کی کوشش کی جارہی ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ شبنم قیوم اردو ادب میں جلد ہی وہ مقام حاصل کرئے گا جس کا وہ حق دار ہے۔'' ۳۵

شبنم قیوم کی ان تصانیف یا دستاویزات پر مقالے کی نوعیت کے اعتبار سے مختصراً تفصیل پیش کرنے کی سعی کی گئی ہے۔تا کہ شبنم قیوم کی کاوشوں کو ادب کی دنیا سے متعارف کیا جائے اور ان کی نڈر تا اور بے با کی کو سراہا جائے۔ شاید ادب اور تحقیق کا مقصد سچ بیان کرنا ہے، جو شبنم قیوم کی تخلیقوں میں بدرجہ اتم موجود ہے۔

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ رسالہ شیرازہ، جموں وکشمیر میں اردو ادب کے پچاس سال، کلچرل اکیڈمی جموں وکشمیر، ۲۰۰۴ء، شمار ۳۸، جلد ۳۷، ص ۱۸۴

۲۔ خورشید عالم، شبنم قیوم کا فن، ص ۱۲

۳۔ شبنم قیوم، پرانے ڈگر نئے قدم، مقدمہ ۱۹۵۸ء، ص ۴۰

۴۔ رسالہ تحریک ادب، محمد ارشاق، شمار ۳۸، سال اشاعت ۲۰۱۷ء، ص ۱۹۲

۵۔ رسالہ تحریک ادب، محمد ارشاق، شمار ۳۸، سال اشاعت ۲۰۱۷ء، ص ۱۹۷

۶۔ شبنم قیوم، ناول پچھتاوا، میزان پبلیشرز بتہ مالو سری نگر ۲۰۱۵ء، ص ۱۸۔۱۹

۷۔ چشمِ نقشِ قدم، (تنقیدی اور تحقیقی مضامین) ترنم ریاض، دہلی ۲۰۰۵ء، ص ۱۳

۸۔ پروفیسر جاوید قدوس، مضمون: شبنم قیوم بحیثیت افسانہ نگار، ص ۶

۹۔ شبنم قیوم، ''ایک زخم اور سہی'' افسانوی مجموعہ، ص ۷۔۸

۱۰۔ جہات (تنقیدی و تحقیقی مضامین) ڈاکٹر شفق سوپوری، دہلی ۲۰۱۲ء، ص ۹۵

۱۱۔ شبنم قیوم، کشمیر کا سیاسی انقلاب، جلد پنجم، مئی ۱۹۸۹ء، ص ۳۳۵

۱۲۔ عصری تحریریں (تنقیدی، مضامین و تبصرے) دیپک بدکی، میزان پبلشرز بتہ مالو سری نگر، ۲۰۰۶ء، ص ۱۳۸

۱۳۔ طاہر مضطر، شبنم قیوم ایک ہمہ جہت و منفرد شخصیت، ص ۱۰

۱۴۔ شبنم قیوم، کشمیر کا سیاسی انقلاب، جلد پنجم، مئی ۱۹۸۹ء، ص ۳۴۰

۱۵۔ شبنم قیوم، ''نشانات'' افسانوی مجموعہ، وقار پبلیکیشنز سری نگر، اگست ۲۰۱۰ء، ص ۱۷۔۱۸

۱۶۔ شبنم قیوم، ''ساجھے داری'' افسانہ، ''نشانات'' افسانوی مجموعہ، ۲۰۱۰ء، ص ۶۹

۱۷۔ شبنم قیوم، ''شریف بدمعاش'' افسانہ، ''نشانات'' افسانوی مجموعہ، ۲۰۱۰ء، ص ۴۔۵

۱۸۔ شبنم قیوم، ''آزادی کی تلاش'' افسانوی مجموعہ، جون ۲۰۱۵ء، انتساب، ص ۲

۱۹۔ شبنم قیوم، ''آزادی کی تلاش'' افسانوی مجموعہ، جون ۲۰۱۵ء، ص ۱۷

۲۰۔ شبنم قیوم، ''آزادی کی تلاش'' افسانوی مجموعہ، پیش لفظ، جون ۲۰۱۵ء، ص ۱۷

۲۱۔ طاہر مضطر، شبنم قیوم ایک ہمہ جہت و منفرد شخصیت، ص ۱۱

۲۲۔ کرشن چندر، سری نگر ٹورسٹ ریسپشن سینٹر، گیٹ ہاوس، ۳/ جولائی ۱۹۷۰ء
۲۳۔ شبنم قیوم، کشمیر کا سیاسی انقلاب، جلد پنجم، مئی ۱۹۸۹ء، ص ۷
۲۴۔ شبنم قیوم، کشمیر کا سیاسی انقلاب، جلد دوم، مئی ۱۹۸۹ء، ص ۲۷
۲۵۔ شبنم قیوم، کشمیر کا سیاسی انقلاب، جلد دوم، مئی ۱۹۸۹ء، ص ۷۔۸
۲۶۔ شبنم قیوم، کشمیر کا سیاسی انقلاب، کتاب کا سرورق ۱۹۸۹ء
۲۷۔ عالیہ نازکی، بی۔بی۔سی اردو کشمیر، ۱۳/ ستمبر ۲۰۱۷ء
۲۸۔ شبنم قیوم، مفصل تاریخ وتحریک کشمیر ۲۰۱۷ء، ص ۲۲
۲۹۔ شبنم قیوم، مفصل تاریخ وتحریک کشمیر، جلد اوّل ۲۰۱۷ء، ص ۲۵
۳۰۔ شبنم قیوم، مفصل تاریخ وتحریک کشمیر، جلد دوم ۲۰۱۷ء، ص ۴۹
۳۱۔ شبنم قیوم، KASHMIR ACESSION A FARCE، وقار پبلیکیشنز ۲۰۱۵ء، ص ۰۵
۳۲۔ شبنم قیوم، KASHMIR ACESSION A FARCE، وقار پبلیکیشنز ۲۰۱۵ء، ص ۰۸
۳۳۔ شبنم قیوم، KASHMIR ACESSION A FARCE، وقار پبلیکیشنز ۲۰۱۵ء، ص ۰۸
۳۴۔ شبنم قیوم، KASHMIR ACESSION A FARCE، وقار پبلیکیشنز ۲۰۱۵ء، ص ۱۹
۳۵۔ نور شاہ، جموں وکشمیر کے افسانہ نگار، میزان پبلشرز بتہ مالو سری نگر، بار اوّل ۲۰۱۱ء، ص ۱۱۲

☆☆☆☆☆

باب سوم

شبنم قیوم کی ناولوں کا تنقیدی جائزہ

شبنم قیوم کی ناولوں کا تنقیدی جائزہ

اردو ادب میں صنفِ ناول مغرب کے دریچے سے داخل ہوئی۔ متحدہ ہندوستان میں ناول کی ابتدا مولوی نذیر احمد کے مبارک ہاتھوں ہوئی۔ اس کے بعد شرؔر، سرشاؔر، پریم چند، مرزا ہادی رسوؔا، عصمت چغتائی، راجیند رسنگھ بیدی اور کرشن چندر وغیرہ نے اس صنف کو ملکی سطح پر بامِ عروج بخشا۔ ریاست جموں وکشمیر میں اردو ناول کی شروعات تب ہوئی جب یہاں پر ڈوگرہ حکومت برسرِ اقتدار تھی۔ مولوی محمد الدین فوقؔ نے ۱۹۰۰ء میں اپنا پہلا ناول ''انارکلی'' لکھا۔ اس ناول کو ریاست کا پہلا فنی اعتبار سے قدرے بہتر ناول کہا جاتا ہے۔ ان کا دوسرا ناول ''اکبر'' ۱۹۰۹ء منظر عام پر آیا۔ یہ ناول بھی مولوی محمد الدین کی فوقؔ کی بہترین ادبی کاوش ہے۔ مولوی محمد الدین فوقؔ سے پروفیسر حامدی کشمیری سے شبنم قیوم تک بے شمار ریاستی فنکاروں نے اردو ادب کی اس صنفِ لازوال کو تقویت بخشی ہے۔ شبنم قیوم نے ناول نگاری کے فن میں اپنی قابلیت کا لوہا منوایا ہے۔ شبنم قیوم کی ناول نگاری سے متعلق منصور احمد منصور رقمطراز ہیں:

> ''پچھلے برسوں میں ناول نگاری کے فن میں جو باصلاحیت فنکار سامنے آئے ہیں ان میں عمر مجید کے علاوہ شبنم قیوم، جان محمد آزاد اور فاروق ریнз وقابل ذکر ہیں۔ شبنم قیوم نے افسانوں کے علاوہ جو ناول لکھے ان میں ''زندگی اور موت''، ''انسان اور کتے''، ''جس دیش میں جہلم بہتا ہے''، ''چراغ کا اندھیرا'' اور ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟'' شامل ہیں۔'' [1]

شبنم قیوم نے ۱۸ رنے سال کی عمر میں ادبی دنیا میں قدم رکھا۔ انہوں نے ناول نگاری کا آغاز ''پرانی ڈگر نئے قدم'' ناولٹ سے کیا۔ لیکن ان کا پہلا شائع ہونے والا ناول ''زندگی اور موت'' ہے۔ اس ناول کی اشاعت ۱۹۵۷ء میں ہوئی۔ اس وقت شبنم قیوم کی عمر تقریباً ۱۹ رسال تھی۔ ان کو یہ شرف حاصل ہے کہ ان کا پہلا ناول کم عمری یعنی ۱۹ رسال میں شائع ہوا۔ ادبی حلقوں میں اس ناول نے شبنم قیوم کو متعارف ہونے کا موقع فراہم کیا۔ ان کا ناولٹ ''پرانی ڈگر اور نئے قدم'' ۱۹۵۸ء میں منظر عام پر آیا۔ اس ناولٹ میں ریاست کے نام نہاد ہمدرد اور شرافت کا لبادہ اوڑھے سیاست دانوں کی زندگی کو موضوع بنایا گیا۔ جب اس ناولٹ کا چرچا خاص وعام میں ہوا تو اس ناولٹ کے کرداروں کے چہرے سے پردہ ہٹ گیا، تو ان کرداروں نے تمام کتب فروشوں سے اس ناولٹ کو اُٹھا کر ضائع کر

دیا۔شبنم قیوم کے ناولوں کے کردار چلتے پھرتے انسان ہوتے ہیں جو سادہ دل کشمیریوں کو اپنے مفاد کے لیے جا بجا استعمال کرتے ہیں۔

پروفیسر حامدی کاشمیری نے اپنی کتاب ''ریاست جموں وکشمیر میں اردو ادب'' میں شبنم قیوم کے متعلق یوں کہا ہے:

''شبنم قیوم کو میں نے ان کی کہانیوں کے ساتھ بہت قریب سے دیکھا، میں نے ان کے اندر کے فن کو دیکھا اور انہیں ان کا مقام دلانے کی کوشش کی۔''

۲ے

شبنم قیوم کا ناولٹ ''چراغ کا اندھیرا'' ۱۹۶۹ء ان کے ایک پڑوسی کے گھریلو حالات پر مبنی ہے۔ان کا پڑوسی سری نگر کے راج باغ سلک فیکٹری میں ملازم تھا۔یہ فیکٹری گھاٹے پر چل رہی تھی تو سرکار نے اس وجہ سے اس فیکٹری کو ۱۹۶۰ء میں بند کر دیا۔اس طرح شبنم قیوم کا ہمسایہ اور دوسرے ملازمین بے روزگار ہوگئے۔اس ملازم کی تنگ حالی کو لے کر کے شبنم قیوم نے احتجاج کے طور پر یہ ناولٹ لکھا۔اس ناولٹ کا عوامی حلقوں میں خوب چرچا ہوا۔یہ ناولٹ اور اس کے پسِ پردہ کہانی جب سابقہ صدرِ ریاست ڈاکٹر کرن سنگھ کے نوٹس میں آئی تو انہوں نے نہ صرف فیکٹری کے گھاٹے پر جانے کی وجوہات دریافت کرنے کے لیے کمیشن نامزد کیا بل کہ فیکٹری کو دوبارہ چالوں کرنے کا احکامات بھی صادر کیے۔شبنم قیوم ادبی دنیا میں راجندر بیدیؔ، عصمت چغتائی اور خصوصاً کرشن چندر سے متاثر نظر آتے ہیں۔کرشن چندر کے مشہور ناول ''ایک گدھے کی سرگزشت'' کے منظرِ عام پر آنے کے بعد شبنم قیوم کے ذہن میں بھی ایسا ہی انوکھا اور نیا موضوع ناول کی شکل میں پیش کرنے کا خیال آتا ہے۔شبنم قیوم نے سویت یونین کی طرف سے خلا (space) میں ایک مصنوعی سیارے کے ذریعے بھیجے گئے ''لائیکا'' نامی کتّے کو اپنے ناول ''انسان اور کتّے'' یعنی ایک کتّے کی سرگزشت کو موضوع بنایا۔یہ کتّا خلا سے سرزمین کشمیر پر اُترتا ہے تو اس کی پہلی ملاقات ایک غریب و مفلس اور نادار بیوہ سے ہوتی ہے جس کی گود میں ایک بیمار بچّہ ہوتا ہے۔

لائیکا (کتّا) اس خاتون کی حالت زار دیکھ کر اس سے حال واحوال پوچھ لیتا ہے۔اس کتے کو خاتون کے رنج الم جان کر اندازہ ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسی سرزمین پر اتر آیا ہے جہاں ناانصافی، لاقانونیت، غربت اور ظلم و جبر اولادِ آدم کا مقدر بن چکا ہے۔چنانچہ یہ کتا اس خاتون کو ساتھ لے کر سرکاری اور غیر سرکاری دفاتر اور ایوانوں میں انصاف کے لیے نکل پڑتا ہے یہ وہ کام ہے جو انسانوں کو کرنا چاہیے تھا۔کرشن چندر کے ناول ''ایک گدھے کی

سرگزشت'' میں طنز ومزاح دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔جب کہ شبنم قیوم کے ناول ''انسان اور کتے'' میں طنز اور آہ وزاری ہے۔انسانی قدروں کے زوال کا نقشہ شبنم قیوم نے اس ناول میں بڑی چابکدستی سے کھینچا ہے۔شبنم قیوم نے ۱۹۶۵ء میں ناول ''جس دیش میں جہلم بہتا ہے'' لکھا۔اس ناول کا موضوع بھی کشمیر کی سیاسی ،سماجی اور اقتصادی پسماندہ مفلوق الحال عوام ہے۔اس ناول کی خوبی یہ ہے کہ ناول کا مطالعہ کرتے ہوئے قاری خود کو ناول کا کردار تصور کرنے لگتا ہے اور کچھ دیر کے لیے اپنے حقیقی وجود کو بھول جاتا ہے۔ناول ''پیاس'' ۱۹۶۹ء میں منظر عام پر آیا، یہ ایک اخلاقی ناول ہے،اس ناول کا نقطۂ نظر اصلاحی ہے۔اس کا موضوع ایک ہی والدین کی دو اولادیں ہیں جن میں ایک پانی ہے اور دوسرا آگ ،ایک نرم ہے تو دوسرا گرم ،ایک نیک ہے تو دوسرا بد۔۔۔۔دو بھائیوں کے درمیان فطری اخلاقی اور نظریاتی تضاد کو بڑے فنکارانہ انداز میں ناول نگار نے پیش کیا ہے۔یہ بات واضح کرنے کی کوشش بھی کی ہے کہ جس طرح ایک ہاتھ کی پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتی ہیں اسی طرح ایک والدین کے بچے بھی اخلاق طبیعت اور دیگر انسانی قدروں کے لحاظ سے یکساں نہیں ہوتے ہیں۔''پرانی ڈگر نئے قدم'' (ناولٹ)،''زندگی اور موت'' ناول)''انسان اور کتے'' (ناول)،''جس دیش میں جہلم بہتا ہے'' (ناول)''پیاس'' (ناول) شبنم قیوم کا وہ ادبی کارنامہ ہے جو قدرت کو منظور نہیں تھا۔ریاست جموں وکشمیر میں ستمبر ۲۰۱۴ء میں سیلاب آیا،اس سیلاب میں سب سے زیادہ جانی و مالی نقصان سری نگر میں ہوا۔شبنم قیوم کا یہ ادبی سرمایہ بھی سیلاب کی نذر ہو گیا۔ان ناولوں کی کاپیاں ریاست کے کسی بھی کتب فروش اور پبلشرز کے پاس موجود نہیں ہیں۔اس حوالے سے مشتاق احمد کھوکر نے انٹرویو کے دوران جب شبنم قیوم سے ناولوں کے قلمی نسخوں کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے جواب میں کہا:

''ان ناولوں کے قلمی نسخے ،میں نے ایک بوری میں ڈال کر گھر میں رکھے ہوئے تھے۔سیلاب کے بعد میری بہن نے ان قلمی نسخوں کو ردی سمجھ کر کواڑیئے کو بھیج دیا۔مجھے اس کا انتہائی افسوس ہے۔'' ۳۲

البتہ شبنم قیوم کے پاس ''چراغ کا اندھیرا'' (ناولٹ) کا قلمی نسخہ محفوظ ہے۔شبنم قیوم کو شہرت عام اور بقائے دوام کے دربار میں دائمی مقام عطا کرنے والا ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟'' ہے۔یہ ناول پہلی مرتبہ اشاعت کے زیور سے آراستہ ہو کر جون ۱۹۷۵ء میں منظر عام پر آیا۔اس ناول نے ریاست کے سیاسی ،صحافتی ،ادبی اور عوامی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا۔یہ ناول ریاست جموں وکشمیر کے سابق وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اور ان جیسے دیگر برسر اقتدار آنے والے سیاست دانوں کے چہرے سے نقاب ہٹاتا ہے۔جنہوں نے ریاست کو ۱۹۳۱ء سے اب تک غیر

یقینیت کا شکار بنایا ہوا ہے۔آخری ڈوگرہ حکمران مہاراجہ ہری سنگھ نے ریاست کو تباہی کے ایک ایسے دہانے پر لا کھڑا کر دیا ہے جہاں آگے کنواں اور پیچھے کھائی ہے۔اپنے حکمرانوں کی اقتدار پرستی کی وجہ سے کشمیری عوام بارود کے ڈھیر پر سگریٹ سلگانے میں مشغول ہے۔شیخ محمد عبداللہ کی غلط پالیسیوں کی وجہ سے قتل و غارت تباہی و بربادی،خون خرابہ، عصمت دری،لوٹ کھسوٹ چوری ڈاکے الغرض ہر آفت کشمیری عوام کا مقدر بن چکی ہے۔ان باتوں کا ذکر شبنم قیوم نے اس ناول میں بڑی بے باکی ،جرأت اور دلیری سے کیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب یہ ناول منظر عام پر آیا اور اس ناول کے اجراء کی خبر اخبار''آفتاب''میں شائع ہوئی تو عوام اس ناول کو خریدنے کے لیے ٹوٹ پڑی۔ناول ریاست بھر میں ریکارڈ توڑ فروخت ہوا۔۲۰/روپے کا یہ ناول کتب فروشوں نے من چاہی قیمتوں پر فروخت کیا،کئی پبلیشروں نے اس کے جعلی ایڈیشن بھی چھپوائے۔اس ناول پر ۱۹۷۷ء میں سرکار نے پابندی عائد کر دی اور اس کی کاپیاں ضبط کر دی گئیں اور ریاستی قانون ساز اسمبلی نے شبنم قیوم پر حکومت کے خلاف نفرت،توہین اور بے اطمینانی پھیلانے کا الزام لگایا۔کشمیری عوام کو یہ ناول اس قدر پسند آیا کہ پابندی کے باوجود لوگوں نے اسے ہاتھ سے لکھ کر اپنے عزیز و اقارب کو تحفے میں دیا۔اس ناول کی اشاعت کے بعد شبنم قیوم سے تحریر کی آزادی چھین لی گئی اور ان کو پابندِ سلاسل کرنے کے لیے پولیس کو حرکت میں لایا گیا لیکن مصلحت سے کام لے کر شبنم قیوم روپوش ہو گئے،روپوشی کے ایام میں شبنم قیوم جہاں بھی رہے عوام نے ان کی مہمان نوازی کشادہ دلی سے کی،باوجود اس کے شبنم قیوم خود کو ایک قیدی سمجھتے تھے۔آخر کار انہوں نے اپنے آپ کو پولیس کے حوالے کر دیا۔پولیس کا رویہ اس نڈر دلیر اور جرأت مند قلمکار کے تائیں قابلِ ستائش تھا۔پولیس سے متعلق جو خدشات ان کے ذہن میں تھے وہ یک لخت مٹ گئے۔کرائم برانچ میں پولیس آفیسرز اس عزت سے پیش آئے جس کا تصور بھی شبنم قیوم کو نہ تھا۔چند ضروری سوالات کرنے کے بعد اور کتاب کو حقیقت کے عین مطابق پاتے ہوئے شبنم قیوم کو پولیس اسٹیشن سے باعزت رخصت کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔البتہ اس ناول کی ایک کاپی وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کو بھیج دی گئی تاکہ وہ غلط بیانی کی نشاندہی کریں تاکہ مصنف کو گرفتار کر کے(D I R)کے تحت ان کے خلاف مقدمہ دائر کیا جائے۔انٹرویو کے دوران راقم الحروف نے شبنم قیوم سے اس کی متنازع (controversial) ناول سے متعلق سوالات کئے۔ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

''سوال : ساحرلدھیانوی کا ایک نغمہ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟''کو آپ نے اپنے ناول کا عنوان کیوں دیا وجوہات بیان کریں؟

جواب : ساحرلدھیانوی نے ہند پاک کے درمیان جنگ کے بعد وزیر اعظم پنڈت جواہر لال نہرو سے

مخاطب ہوکر انسانی جانوں کے تلف پر ایک نظم میں سوال کیا تھا۔

اے رہبر ملک و قوم بتا

یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟ ''ہے

ہم نے شیخ عبداللہ سے تحریک آزادی اور، مطالبہ رائے شماری کے دوران اڑھائی ہزار لوگوں کے قتل کو مدِ نظر رکھ کر یہی سوال کیا۔۔۔

اے ملک و قوم کے رہزن بتا

یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟

''**سوال** : یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟ ناول آپ نے کس واقعے یا حادثے سے متاثر ہو کر لکھا؟

جواب : ۱۹۷۵ء کے اندرا۔عبداللہ ایکارڈ جو اصل میں تحریک آزادی سے سرنڈر اور اقتدار کے حصول کے لیے تنزل عہدہ کی قبولیت کے سوا کچھ نہ تھا اس سے متاثر ہو کر یہ تاریخی اور سیاسی ناول لکھا۔

سوال: آپ کا ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟'' ادبی و سیاسی حلقوں میں تنازع (controversy) کا شکار کیوں ہے؟

جواب : چونکہ یہ ایک تاریخی اور سیاسی ناول تھا اور قوم کے لیڈر کو ایکسپوز کر رہا تھا۔قوم کے ساتھ ان کا دھوکا اجاگر کیا گیا تھا لہٰذا یہ (controversy) بن گیا تھا۔'' ۵

شبنم قیوم کو جو عزت ،شہرت اور دولت ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟'' سے حاصل ہوئی وہ ایک اعلیٰ اعزاز کا درجہ رکھتی ہے۔ یہ ناول ان کی زندگی کا ایک اہم ادبی کارنامہ ہے جس کی وجہ سے شبنم قیوم کا نام ریاست کی ادبی تحریک میں ہمیشہ سنہری الفاظ میں لکھا جاتا رہے گا۔ یہ ناول ریاست جموں وکشمیر کی سیاسی تحریک کی نا صرف ایک اہم دستاویز ہے بلکہ ایک ایسا آئینہ ہے جس میں یہاں کے سیاستدانوں کا اصلی چہرہ دیکھنے کو ملتا ہے۔

ڈاکٹر شفق سوپوری شبنم قیوم کی مہارت پر یوں لکھتے ہیں:

> ''شبنم قیوم کو کہانی لکھنے کے فن پر قدرت تامہ حاصل نہیں ہے لیکن ایسے معمولی واقعات اور حادثات جو ہماری اور آپ کی نظروں کے سامنے سے اکثر بیشتر متوجہ کیے بغیر گزر جاتے ہیں ان کے پاس پہنچ کر واقعی معجزے بن جاتے ہیں۔'' ٦

شبنم قیوم کا ناول ''پچھتاوا'' ۲۰۱۵ء میں منظر عام پر آیا۔ یہ ایک جنس کے موضوع پر لکھا گیا ناول ہے اس ناول میں انٹرنیٹ، ٹی وی سنیما اور موبائل کے ذریعے پھیل رہی برائیوں پر شبنم قیوم نے بڑی بے باکی سے قلم اٹھایا ہے۔ شبنم قیوم کی اس بے باکی کی ایک جھلک ناول ''پچھتاوا'' کے آغاز میں ''اعتراف'' کے زیر عنوان یوں دیکھنے کو ملتی ہے:

> ''اپنی ایک تصنیف ''سیکس پولیشن'' کی تیاری کے دوران ہندوستان کی دو نامور انگریزی میگزین Front Line and India Today کی جانب سے کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر طالبات کے بارے میں ان کے سیکس پر سروے کی رپورٹ میں ۳۳ر فی صد لڑکیوں کی طرف سے سیکس میں ملوث ہونے اور سیفٹی کے لیے اپنے پرس میں چھتری یعنی کنڈوم اور مانع حمل گولیاں رکھنے کا اعتراف اور وہ بھی بغیر کسی ہچکچاہٹ اور شرم کے گویا ڈگری حاصل کرنے کا انکشاف کیا جا رہا ہو۔ اپنے اندر بڑا معنی رکھتا ہے یعنی موجودہ ترقی یافتہ سائنسی دور میں ۳۳ر فی صد طالبات کا مباشرت کا احتراف ہمارے لیے ششدر ہوکر پریشانی کا باعث بن گیا۔'' ۷

ناول ''پچھتاوا'' سے متعلق نثار راہی بھوپال ''شبنم قیوم ایک حقیقت پسند فنکار، جرأت مند قلمکار'' کے زیر عنوان لکھتے ہیں:

> ''سچ تو یہ ہے کہ شبنم قیوم نے کشمیر کے نامساعد حالات میں اور اس کے ساتھ ترقی یافتہ سائنسی دور اور موجودہ زمانے کے ایجادات کا باریک بینی سے مشاہدہ کرکے اس کے مضر اثرات سے متاثر ہوکر ایک احتجاج کیا ہے یہ احتجاج ہمیں ''پچھتاوا'' میں ادب کے روپ میں ملتا ہے اور قلمکار نے اس میں بھی فن کا خوب مظاہرہ کیا ہے۔ فنکار نے ہمیں بتا دیا جو میں دیکھتا ہوں ،وہی میں لکھتا ہوں، جو میں محسوس کرتا ہوں اس کو آپ تک پہنچا دیتا ہوں۔ آپ اس کو کس اینگل سے دیکھتے ہیں، اس میں آپ کی سوچ اور اپروچ کا دخل ہے۔'' ۸

اس ناول کا موضوع کشمیر کا ایک پنڈت گھرانا جو سیکس کے سیلاب میں غرق ہوجاتا ہے۔ اپنے پرائے منہ

پھیر لیتے ہیں اور ناول کا مرکزی کردار انیل ، بدحالی اور کسمپرسی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے ناول ''پچھتاوا'' پڑھنے کے بعد قاری بھی ان کرداروں پر پچھتانے لگتا ہے جن کے گرد ونواح میں یہ کہانی گھومتی ہے۔

پلاٹ

شبنم قیوم کے شہرت یافتہ ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟'' کا پلاٹ بناوٹ کے لحاظ سے منظّم پلاٹ کے زمرے میں آتا ہے۔اس ناول کے واقعات ناول نگار نے بڑی چابکدستی کے ساتھ ترتیب دیئے ہیں۔ایک واقعہ دوسرے واقعہ کے ساتھ اس طرح جُڑا ہے گویا ایک دھاگے میں موتی پروئے ہوئے ہوں۔بقول ریحانہ اختر نقوی:

> ''پلاٹ ایک ایسی ڈور ہے جس میں واقعات ترتیب کے ساتھ پیش کئے جاتے ہیں جس کی وجہ سے کہانی میں کوئی جھول نہیں آتا اور ناول نگار کہانی کو ترتیب کے ساتھ بیان کرتا ہے۔'' 9

شبنم قیوم کا ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟'' ریحانہ اختر نقوی کے مندرجہ بالا قول پر کھرا اُترتا ہے اس ناول میں کوئی جھول نظر غائر سے دیکھنے پر بھی نظر نہیں آتا ہے۔اس ناول کا آغاز اس طرح سے ہوتا ہے۔

> ''کشمیر جس کا نام ریشما ہے طویل بیماری کے ساتھ وہ صحت یاب ہورہی تھی۔لیکن اس کے جوڑ جوڑ میں اب بھی درد ہورہا تھا۔ناسازگار موسم اس کے ریشے ریشے میں سرایت کرتی جارہی تھیں۔'' 10

اس ناول کی کہانی شیخ محمد عبداللہ، ''ریشما (شیخ محمد عبداللہ کی بیٹی جس سے ناول نگار کی مراد کشمیر ہے)،محمود (پاکستان)،اشوک (ہندوستان)،بخشی (ریشما کا انکل، ریاست جموں وکشمیر کا سابقہ وزیراعظم) صادق (ریشما کا ماموں، ریاست جموں وکشمیر کا سابقہ وزیراعظم اور وزیراعلیٰ) شمس الدین (ریاست جموں وکشمیر کا سابقہ وزیراعظم)، اکبر جہاں (شیخ محمد عبداللہ کی بیوی اور ریشما کی ماں) فاروق (ریشما کا بھائی، ریاست جموں وکشمیر کا سابقہ وزیراعلیٰ، ڈاکٹر فاروق عبداللہ) اور افضل بیگ (شیخ محمد عبداللہ کا ساتھی) وغیرہ کے گرد ونواح میں گھومتی ہے اور یہ ریاست جموں وکشمیر کا ایک اہم سیاسی اور تاریخی ناول ہے۔اس ناول کا پہلا اہم واقعہ یہ ہے کہ متحدہ ہندوستان کے بٹوارے کے بعد کشمیر پر پاکستانی قبائلیوں نے حملہ کردیا۔سرزمین کشمیر میں خون کی ندیاں بہنے لگیں، ہزاروں لوگ بے گھر ہوئے ،عورتیں بیوہ ہوئیں، بچے یتیم ہوئے اور ہر طرف قبائیلوں کی دہشت پھیل گئی۔آخری ڈوگرہ حکمران مہاراجہ ہری سنگھ جو مزید ریاست جموں وکشمیر پر حکمرانی کے خواب دیکھ رہے تھے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔اس ہُو

کے عالم کا نقشہ شبنم قیوم یوں کھینچتے ہیں:

''ریشما کو حاصل کرنے کے لئے محمود نے قبائلی جتھے جو یہاں بھیج دیئے تھے اُن کی وجہ سے یہاں ایک زبردست اتھل پتھل مچ گئی ، ہر سو انتشار اور سراسیمگی پھیل گئی، قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم ہو گیا۔ ریاست کو آزاد اور خود مختار درجہ دینے کی مہاراجہ کی آرزو دب کر رہ گئی ۔قبائلیوں کی آمد سے ان کے ہوش و ہواس اُڑ گئے اور وہ جان بچانے کے لیے یہاں سے کوچ کر گئے۔'' ۱۱

مہاراجہ ہری سنگھ جن کی آنکھوں میں مزید حکمرانی کے خواب تھے اور جن کی سیاسی کمزرویوں کی وجہ سے آج بھی ریاستی عوام کے خون سے ہولی کھیلی جا رہی ہے۔انہیں اپنی باقی بچی پونجی جو ساڑھے چار لاکھ روپے تھی سری نگر سے دہلی کے ایک بینک میں ٹرانسفر کرنی پڑی:

''ریاست پر قبائلی حملے کی آڑ میں جب مہاراجہ سری نگر سے نکل گئے اور شیخ عبداللہ کے ہاتھ میں ریاست کا کنٹرول دیا گیا تو انہوں نے حالات کے پیش نظر جہاں اپنی پوری فیملی دہلی پرائم منسٹر ہاوس روانہ کر دی۔ وہاں انہوں نے سری نگر میں اپنا بینک اکاؤنٹ بند کر کے'' کاکس اینڈ کنگس'' بینک دی بنڈ سری نگر سے ساری رقومات اپنے ذاتی کھاتہ اکاؤنٹ نمبر ۳۴۲ رسی ووچر نمبر ۸۳۹۱ مورخہ ۳۰/۱۰/۱۹۴۷ء کے تحت ساری رقم جو ساڑھے چار لاکھ روپے پر مشتمل تھی ، دہلی برانچ کو ٹرانسفر کر دی۔ کاکس اینڈ کنگس بینک بعد میں لائیڈز بینک کہلایا۔'' ۱۲

اس ناول کا دوسرا واقع مظفر آباد پر پاکستانی قبائلیوں کی طرف سے جبرا تسلط پر مبنی ہے۔ریشماں (کشمیر) اپنی چھوٹی بہن مظفری (مظفر آباد) کی جدائی میں نڈھال ہو جاتی ہے۔جس کو محمود کے قبائلی جتھے زبردستی اس سے جدا کر کے لے گئے تھے قبائلیوں نے مظفر آباد اور پھر اس پر ۲۲ /اکتوبر ۱۹۴۷ء میں حملہ کیا۔قبائلی پٹھانوں نے مہر پاور ہاوس اڑا کر وادی کشمیر کی عوام کو اس پاور ہاوس سے پیدا ہونے والی بجلی سے محروم کر دیا۔شبنم قیوم اس صورت حال کو یوں بیان کرتے ہیں:

''ریشما اشوک کی نیت پر بھروسا کر رہی تھی۔اس کی امانت کو لے کر شاد ہو

رہی تھی اور شادمانی میں دونوں ایک دوسرے کے ہاتھ میں ہاتھ دے کر
رخصت ہو گئے۔ جب وہ گھر آئی تو سخت پریشان تھی چھوٹی بہن مظفری کی
جدائی نے اسے وارفتہ بنا دیا تھا۔ وہ رو رہی تھی اس کی آنکھوں سے آنسو
رواں تھے۔

وہ سوچ رہی تھی۔۔۔۔نہ جانے کیا؟
روتے روتے اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔
کیا میری بہن مجھ سے پھر مل سکے گی۔۔۔۔؟
کیا میں اسے دوبارہ دیکھ سکوں گی؟'' ١٣

اس ناول کا تیسرا اہم واقع ریاست جموں وکشمیر کا مجبوری کی صورت حال میں ہندوستان کے ساتھ الحاق (The Instrument of Accession) کی روداد پر مبنی ہے۔مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی ریاست کے مستقبل کی خاطر (Stand Still Agreement) پاکستان اور بھارت کے ساتھ کیا۔تاکہ وہ اس ریاست کو غوروفکر کے بعد کسی ایک ملک کے ساتھ جوڑ دیں یا پھر اس ریاست کو خودمختار اور آزاد رکھیں اور خود اس ریاست کے حکمران رہیں۔ریاست پر پاکستان کے ساتھ معاہدہ جاریہ (Stand Still Agreement) ہو چکا تھا لیکن پاکستان نے اس معاہدے کی خلاف ورزی کی اور قبائلیوں کو جموں وکشمیر پر قبضے کی خاطر بھیج دیا۔اس صورتحال میں مہاراجہ ہری سنگھ کو ہندوستان سے مدد لینی پڑی۔مجبوری کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بھارتی قیادت نے مہاراجہ سے الحاق کی مانگ ۲۶؍اکتوبر۱۹۴۷ء میں مہاراجہ ہری سنگھ نے الحاق کے مسودے پر دستخط کیے اور ۲۷؍اکتوبر کو آخری انگریز گورنر جنرل آف انڈیا لارڈ ماؤنٹ بیٹن نے اسے منظور کرلیا۔۲۷؍اکتوبر کو ہندوستانی فوج قبائلیوں کے خلاف محرکہ آرائی کے لیے بھیج دیں گئی۔نیشنل کانفرنس کے مشہور معروف لیڈر شیخ محمد عبداللہ چاہتے تھے کہ ریاست کا الحاق ہندوستان سے ہو کیوں کہ پاکستان کی سیاسی قیادت سے شیخ محمد عبداللہ کے تعلقات خوشگوار نہ تھے۔ڈاکٹر آفاق عزیز لکھتے ہیں:

''حقیقت شناسوں کے نزدیک حملے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ پاکستان
نے شیخ عبداللہ سے انتقام لینے کی غرض سے قبائلیوں کا سہارا لیا'' ١٤

ریاست کا بھارت کے ساتھ الحاق ہونے کے بعد ۳۰؍اکتوبر۱۹۴۷ء میں شیخ محمد عبداللہ کو ریاست کا ہنگامی صورت حال میں وزیراعظم بنایا گیا۔اگر ریاست پاکستان کے ساتھ جوڑ دی جاتی یا پھر قبائلی یہاں پر پاکستان کی فتح

کا پرچم لہرا دیتے تو شیخ محمد عبداللہ کو وزیراعظم جیسے جلیل القدر عہدہ ہرگز تفویض نہ ہوتا اور پاکستان سے مل کران کو ہر جگہ منہ کی کھانی پڑتی۔شبنم قیوم اس ناول میں شیخ عبداللہ کو ریشما (کشمیر) کے باپ کے روپ میں پیش کرتے ہیں۔شیخ محمد عبداللہ اپنی بیٹی ریشما سے مخاطب ہو کر کہتا ہے:

''ریشما۔۔۔! میں جانتا ہوں اس وقت تمہارے جذبات مجروح ہیں۔تمہارا ایک پر کاٹ دیا گیا ہے۔تمہاری بہن تم سے جدا کر دی گئی ہے مگر تم یہ بھول گئی ہو کہ تمہاری بہن میری کیا لگتی ہے۔دراصل اس وقت میں تم سے یہ کہنے آیا ہوں۔اشوک جب ہماری مدد کے لیے راضی ہو گیا تو وہ مجھ سے کہتا ہے میں اس شرئط پر تمہاری مدد کرسکتا ہوں اگر تم اپنی بیٹی کی شادی میرے ساتھ کرو گے۔'' ۱۵

ناول کا چوتھا واقع شیخ محمد عبداللہ کا وزیراعظم کے عہد سے بھارتیہ سرکار کی طرف سے جبراً ہٹانے کا ہے۔شیخ محمد عبداللہ کو ۹ راگست ۱۹۵۳ء میں وزیراعظم کے عہدے سے ہٹا کر گلمرگ میں گرفتار کرلیا گیا۔اسی روز یعنی ۹ راگست ۱۹۵۳ء میں بخشی غلام محمد کو ریاست کا وزیراعظم بنایا گیا۔بخشی غلام محمد کو ناول نگار نے ریشما کے انکل کے روپ میں پیش کیا ہے۔شیخ محمد عبداللہ کی معزولی اور گرفتاری کے بعد بخشی انکل ریشما کے پاس آتے ہیں۔

''ریشما۔۔۔! گھبراؤ مت یہ میں ہوں؟

کون۔۔۔کون ہیں آپ؟

بخشی۔۔۔تمارا انکل!

انکل۔۔۔! ریشما حیرت سے بولی۔

ہاں تمارا انکل۔۔۔لیکن تم اب سے مجھے اپنا باپ سمجھو۔'' ۱۶

ڈاکٹر سلام سندیلوی پلاٹ میں قصہ گوئی کے تین طریقے بتاتے ہیں۔پہلا طریقہ برائے راست، دوسرا طریقہ خودنوشت اور تیسرا خطوط کا ذریعہ۔ڈاکٹر سلام سندیلوی رقمطراز ہیں:

''تیسرا طریقہ پیشکش کا خطوط کے ذریعہ ہوسکتا ہے۔یہ طریقہ بھی مشکل ہے کیونکہ ماہر فنکار بھی اس میں حسن وخوبی پیدا کرنے سے قاصر رہتا ہے۔'' ۱۷

شبنم قیوم نے پلاٹ میں قصہ گوئی اس تیسرے طریقے کو بڑی خوبصورتی کے ساتھ پیش کیا ہے۔اس ناول میں کل چار خطوط شامل کیے گئے ہیں۔جو شیخ عبداللہ اپنی بیٹی کو مختلف مقامات سے لکھتے ہیں۔پہلا خط گرفتاری کے بعد

شیخ عبداللہ ریشما کو لکھتے ہیں:

''میری بیٹی!

سلامت رہو:

مجھے تم سے جُدا کر دیا گیا اور میری جدائی سے تمہاری کیا حالت ہوگی۔اس سے میں ہرگز غافل نہیں ،تم حیران ہوگی۔میرا باپ مجھ کو چھوڑ کر کہاں چلا گیا۔بیٹی۔۔۔'' [۱۸]

اس تاریخی و سیاسی ناول کا پانچواں واقع حضرت بل کے آثار شریف سے موئے مقدس ﷺ کے غائب ہونے کا منظر ہے۔بخشی غلام محمد کو وزیر اعظم کے عہدے سے ۱۲/اکتوبر ۱۹۶۳ء میں ہٹایا گیا۔بخشی غلام محمد کے رشتے دار بخشی رشید کا نام مرکز نے وزیر اعظم کے عہدے کے لیے نامنظور کر دیا اور شمس الدین کو ۱۲/اکتوبر ۱۹۶۳ء کو وزیر اعظم بنایا گیا۔بخشی رشید نے اپنی توہین کا بدلہ لینے کے لیے موئے مقدس ﷺ کو غائب کروادیا تاکہ شمس الدین کی حکومت کا تختہ پلٹ جائے۔شبنم قیوم اس صورت حال کو یوں بیان کرتے ہیں:

''۲۸/دسمبر ۱۹۶۳ء کو جب صبح سویرے ریشما نیند سے جاگی تو اس نے سویرے تاریکی ہی تاریکی دیکھی۔روشنی کا کوئی نام ونشان نہ تھا۔آسمان رو رہا تھا،زمین لرز رہی تھی۔ہر جانب گریہ زاری،آہ وزاری اور الامان الامان کی آوازیں آرہی تھیں۔'' [۱۹]

شمس الدین کے بعد وزیر اعظم کی کرسی غلام محمد کو حاصل ہوئی۔غلام محمد صادق ۲۹/فروری ۱۹۶۴ء سے ۹/اپریل ۱۹۶۵ء تک ریاست جموں وکشمیر کے وزیر اعظم رہے۔غلام محمد صادق کو ریاست کا آخری وزیر اعظم اور پہلا وزیر اعلیٰ ہونے کا شرف حاصل ہے۔وزیر اعلیٰ کی حیثیت سے غلام محمد صادق نے ۱۰/اپریل ۱۹۶۵ء سے ۱۲/دسمبر ۱۹۷۱ء حکومت کی۔ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟'' میں غلام محمد صادق کو ریشما (کشمیر) کے ماموں کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔صادق ماموں ریشما سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

''اگر تم برا نہ مانو تو۔۔۔تم شادی کرلو

شادی۔۔۔کس کے ساتھ؟

اشوک کے ساتھ اور کس کے ساتھ؟

محمود کے ساتھ کیوں نہیں؟

محمود تمہارے قابل نہیں ہے اور اس کی گھریلو حالت ٹھیک نہیں۔'' ۲۰؎

اس ناول کا چھٹا واقع وزیراعلیٰ غلام محمد صادق کی اچانک موت، بنگلہ دیش کا پاکستان سے الگ ہوجانے اور سید میر قاسم کا ۱۲/دسمبر ۱۹۷۱ء میں وزیراعلیٰ کی کرسی حاصل کرنے پر مبنی ہے۔ سید میر قاسم کو اس ناول میں ریشما کے سوتیلے بھائی کے روپ میں پیش کیا ہے۔ ریشما اور قاسم کے درمیان ہوئی گفتگو کا ایک دلچسپ نمونہ درج ذیل ہے۔ ریشما قاسم سے مخاطب ہوکر کہتی ہے:

''میں تمہیں مبارک باد دینا بھول گئی۔
کون سی مبارک باد۔۔۔؟
تمہیں نوکری مل گئی نا، ماموں جان کی جگہ تم نے حاصل کر لی۔ اس کی مبارک باد دے رہی ہوں۔'' ۲۱؎

۲۶/مارچ ۱۹۷۱ء میں مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش) پاکستان سے بھارت کے بھرپور تعاون سے علیٰحدہ ہوا۔ ریاست جموں و کشمیر کی عوام کو بھی محسوس ہوا کہ شاید کہیں ان کی دیرانہ مانگ پوری ہو اور انہیں بھی ہند کے جبراً تسلط سے آزادی ملے۔ لیکن ایسا ہوا نہیں جمہوریت کا دنیا میں سب سے بڑا دعویدار بھارت ریاستی عوام کی منشا جانے سے قاصر ہے اور یہاں پر رائے شماری کرانے سے کتراتا ہے کہ کہیں ریاست جموں و کشمیر ہاتھ سے نکل نا جائے یہ منظر شبنم قیوم نے یوں پیش کیا ہے:

''ریشما کو یہ سوچنے کا موقع ضرور مل گیا کہ محمود نے اس کا بھائی علیحدگی اگر مانگ رہا ہے تو وہ تیار کیوں نہیں۔ اشوک اگر محمود کے بھائی کا مطالبہ صحیح مان کر اس کی مدد کر رہا ہے تو ٹھیک ہی کر رہا ہے۔ کیونکہ اشوک مجیب الرحمٰن کو مظلوم سمجھتا ہے وہ سوچنے لگی جب یہ جنگ ختم ہوجائے گی اور آگ ٹھنڈی ہوجائے گی تو میں اشوک کو اپنی مظلومیت کا احساس دلاؤں گی۔۔۔۔ میں اسے کہوں گی تمہارے خیالات جان کر مجھے تم سے کہنے کی جرأت ہو رہی ہے۔ بنگلہ دیش کی طرح میں بھی علیحدگی چاہتی ہوں۔'' ۲۲؎

سید میر قاسم کے بعد شیخ محمد عبداللہ تنزل عہدہ قبول کرتے ہوئے ۲۵/فروری ۱۹۷۵ء کو ریاست کی وزیراعلیٰ بنے۔ ۲۶/مارچ ۱۹۷۷ء سے ۹/جولائی ۱۹۷۷ء تک ریاست میں پہلی مرتبہ گورنر رول نافذ ہوا۔ ۹/جولائی ۱۹۷۷ء سے ۸/ستمبر ۱۹۸۲ء تک شیخ محمد عبداللہ دوبارہ ریاست کے وزیراعلیٰ رہے۔ یہ ناول کا ساتواں واقع ہے جسے

شبنم قیوم نے بڑی ہنرمندی سے پیش کیا ہے۔شیخ عبداللہ کو جب اشوک کی طرف سے وزیراعلیٰ کی کرسی مل جاتی ہے اور وہ اپنی بیٹی ریشما کی اشوک کے ساتھ شادی کروانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔ریشما یہ بے غیرتی برداشت نہیں کر پاتی ہے اور اپنے باپ شیخ عبداللہ کی تصویر جو ایک شیشے کے فریم میں ہوتی ہے اسے اپنے سر میں مار دیتی ہے۔جس سے ریشما بے ہوش ہو جاتی ہے۔لوگ ریشما کے گرد نواح میں اکٹھے ہو جاتے ہیں ریشما کے باپ شیخ عبداللہ کو جب یہ خبر پہنچی تو وہ لوگوں کے جم غفیر کو چیرتے ہوئے آگے بڑھے۔اس حادثے کو شبنم قیوم یوں پیش کرتے ہیں:

’’وہ دیوانہ وار آگے بڑھا۔ریشما پر نظر پڑتے ہی وہ دھک سے رہ گیا۔پریشانی اور غم کے عالم میں وہ ایک نظر سے دلہن کو دوسری نظر سے ان لوگوں کو دیکھ رہا تھا جو یہاں جمع تھے اور ریشما کے گرد کھڑے شاید وہ دعا کے لئے ہاتھ اٹھا رہے تھے۔۔۔۔یکایک اس کے کانوں میں ان لوگوں کی آواز گونجی جو ہاتھ دراز کر کے اس کی طرف دیکھ کر کہہ رہے تھے۔

اے ملک و قوم کے رہزن بتا
یہ کس کا لہو ہے کون مرا ؟ ‘‘ ۲۳

شیخ محمد عبداللہ ۸/ستمبر ۱۹۸۲ء کو اس جہاں فانی سے کوچ کر گئے۔ان کے بعد ان کا لختِ جگر ڈاکٹر فاروق عبداللہ ۹/ستمبر ۱۹۸۲ء کو ریاست کے وزیراعلیٰ بنے۔ڈاکٹر فاروق عبداللہ پہلی مرتبہ ۹/ستمبر ۱۹۸۲ء سے ۲/جولائی ۱۹۸۴ء تک وزیراعلیٰ رہے۔ان کے بعد غلام احمد شاہ ۲/جولائی ۱۹۸۴ء سے ۶/مارچ ۱۹۸۶ء تک وزیراعلیٰ رہے۔چھ مارچ ۱۹۸۶ء سے ۷/نومبر ۱۹۸۶ء تک گورنر رول نافذ رہا۔

۷/نومبر ۱۹۸۶ء کو پھر ڈاکٹر فاروق عبداللہ برسراقتدار میں آ گئے ۱۹/جنوری ۱۹۹۰ء تک وزیراعلیٰ رہے۔اس کے بعد ۱۹/جنوری ۱۹۹۰ء سے لے کر ۹/اکتوبر ۱۹۹۶ء تک ریاست جموں وکشمیر میں گورنر اینڈ پریزیڈنٹ رول رہا۔تیسری مرتبہ ڈاکٹر فاروق عبداللہ ۹/اکتوبر ۱۹۹۶ء سے ۱۸/اکتوبر ۲۰۰۲ء تک ریاست کی وزیراعلیٰ رہے۔ڈاکٹر فاروق عبداللہ کو اس ناول میں ریشما کے بھائی کے روپ میں پیش کیا گیا ہے فاروق اپنی بہن یشما کے کمرے میں جاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں:

''ریشما تم یہاں کیا کر رہی ہو

دیکھ جو رہے ہو بیٹھی ہوں اور اپنی قسمت پر رو رہی ہوں

کیوں۔۔۔۔تمہاری قسمت کو کیا ہو گیا ہے

اگر تم کو معلوم نہیں تو یہ بھی میری بدقسمتی ہے۔'' ۲۴

اس ناول کے آخر میں ریشما خودکشی کر لیتی ہے جبکہ ریشما کو جان سے مارنے کی دھمکی اس کا حقیقی بھائی فاروق دیتا ہے۔ناول سے اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''فاروق اس وقت حواس باختہ ہو کر ادھر ادھر دیکھ رہا ہے۔اس کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے یہ قتل ہے یا خودکشی۔۔۔۔چھری تو ریشما کے ہاتھ میں ہے اور اس کو قتل کرنے کی دھمکی میں نے دی دیکھتے دیکھتے یہ اچانک کیا ہو گیا۔۔۔؟ '' ۲۵

ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟ '' کا حصہ اول اکتوبر ۱۹۴۷ء تا فروری ۱۹۷۵ء تک اور دوسرا حصہ مارچ ۱۹۷۵ء دسمبر ۲۰۰۱ء کا احاطہ کرتا ہے۔ریاست جموں وکشمیر کی تاریخ کو جب ہم سامنے رکھ کر ناول کے پلاٹ کو دیکھتے ہیں تو سابقہ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ سے لے کر ڈاکٹر فاروق عبداللہ تک تمام برسر اقتدار آنے والے سیاسی رہنماؤں کو اور ان کے دور اقتدار کو اس ناول میں موضوع بنایا گیا ہے۔لیکن ریاست کے سابقہ وزیر اعلیٰ غلام احمد شاہ ان کے دور اقتدار کو اس ناول میں پیش نہیں کیا گیا ہے۔ یہاں پر تاریخی اعتبار سے ناول میں ایک جھول نظر آتا ہے۔البتہ ریاست جموں وکشمیر کی تاریخ سے ناآشنا قاری اس خامی کو محسوس نہیں کر سکتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ شبنم قیوم کو ناول کے فن پر دسترس حاصل ہے اور ناول کے واقعات ترتیب سے ان کے آگے ہاتھ جوڑے کھڑے رہتے ہیں۔ریاست میں ۲۰۰۲ء تک تین مرتبہ گورنر رول نافذ رہا لیکن ان واقعات کا ذکر بھی اس ناول میں نہیں ہے۔یہ خامی بھی تاریخ سے ناآشنا قاری کو محسوس نہیں ہوتی ہے۔یہ بات الگ ہے کہ شبنم قیوم نے واقعات کی ترتیب کو بڑے بہترین انداز میں پیش کیا ہے اس طرح ناول میں شروع سے لے کر آخر تک ایک تجسس برقرار رہتا ہے اور یہ تجسس قاری کو پورا ناول پڑھنے پر آمادہ کرتا ہے۔

پروفیسر نذیر احمد ملک نے اپنے مضمون ''کشمیر میں اردو ناول'' میں شبنم قیوم کا تذکرہ کرتے ہوئے شبنم قیوم کے فن کے متعلق یوں لکھا ہے:

''ناول کی کسوٹی پر جب ہم شبنم قیوم کے ناول یہ دیکھنے کے لیے پرکھتے ہیں

کہ آیا یہ اس کسوٹی پر پورے اترتے ہیں یا نہیں تو ہمیں بیک وقت ہاں اور نا کرنا پڑتا ہے۔ ہاں اس لیے کرر ہے ہیں کہ شبنم قیوم ناول کے فن سے پورا واقف ہے اور اس کا ہر ناول زندگی سے بھر پور ہے۔ اس میں ایسی کمزوریاں بھی جھلکتی ہیں جو بری طرح کھٹکتی تو ہیں لیکن اس کے فن پر اپنا اثر ضرور ڈال رہے ہیں۔'' ۲۶ے

کردار نگاری

ایک کامیاب ناول کا دارومدار کرداروں کی اصلیت پر ہوتا ہے وہ ناول جس کو ناقدین ادب کا کامیاب ناول قرار دیتے ہیں اس کے کردار گوشت پوشت کے انسان ہوتے ہیں۔ یہ کردار ہماری طرف فضا میں سانس لیتے ہیں۔ ان کرداروں میں خوشی اور غم، نفرت اور محبت، بخیلی اور ہمدردی جیسے نفسیاتی عناصر موجود ہوتے ہیں۔ ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟ '' میں ناول نگار نے کرداروں کو قلم سے نہیں بلکہ مصّور کے برش سے تشکیل دیا ہے۔ اس ناول میں کردار اس انداز میں پیش ہوتے ہیں کہ قاری کی آنکھوں کے سامنے ان کا نقشہ پھر جاتا ہے۔ ناول کے مرکزی کرداروں میں ریشما (کشمیر) اور اس کے دو عشق محمود (پاکستان) اور اشوک (ہندوستان) شامل ہیں۔ یہ مرکزی کردار ناول کے آغاز سے انجام تک سرگرم عمل رہتے ہیں۔ دیگر ضمنی کرداروں میں شیخ محمد عبداللہ ریاست جموں وکشمیر کے سابق وزیر اعظم اور وزیر اعلی کا کردار اہمیت کا حامل ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کو اس ناول میں ریشما کے والد کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔ شیخ محمد عبداللہ کا کردار مکمل کردار (Round Charecter) کے زمرے میں آتا ہے۔ اس کردار کے اندر حقیقی زندگی کی روشنی اور توانائی دیکھنے کو ملتی ہے۔ یہ کردار کسی ایک وصف کا پیکر نہیں بلکہ نیکی، بدی، ہمدردی اور نفرت کے اوصاف سے بھر پور ہے۔ یہ کردار وقتاً فوقتاً حالات کے مطابق رنگ بدلتا ہے۔ ریشما کا کردار حقیقی زندگی کی عکاسی کرتا ہے۔ ریشما ایک حسین وجمیل دوشیزہ ہے۔ جو محمود سے محبت کرتی ہے لیکن برے وقت میں اشوک نے اس کی عزت وآبرو بچائی تھی۔ اس وجہ سے ریشما دل کی عمیق گہرائیوں سے اشوک کی بھی احسان مند ہے۔ اشوک ریشما کے حسن سے متاثر ہو کر اسے دل وجان سے چاہنے لگتا ہے۔ اشوک اور محمود ریشما سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن ریشما یہ فیصلہ نہیں کر پاتی ہے کہ وہ کس سے شادی کرے؟ دونوں میں سے کون اس کا بہترین جیون ساتھی ثابت ہو سکتا ہے؟ لہذا وہ یہ فیصلہ اپنے باپ شیخ عبداللہ پر چھوڑ دیتی ہے۔ شیخ عبداللہ اپنی بیٹی ریشما کو جابجا اپنے مفاد کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ریشما کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے۔

''بیٹی تم میری ایک بات یاد رکھو۔۔۔۔!
کبھی تم میری مرضی کے خلاف کوئی قدم نہیں اُٹھاو گی۔تم
کسی کے بہکاو میں نہیں آو گی۔'' ۲۷

ریشما کا کردار علامتی کردار (Symbolic Charecter) کے زمرے میں آتا ہے اور سرزمین کشمیر کی بہترین عکاسی کرتا ہے۔ریشما کی خوبیاں اور خامیاں دراصل کشمیر کی خوبیاں اور خامیاں ہیں۔ہندوستان اور پاکستان دونوں ممالک دو عاشقوں کی مانند اس پر لڑ رہے ہیں۔اشوک (بھارت) اور محمود (پاکستان) کے کردار بھی علامتی کردار ہیں۔اشوک جبراً ریشما سے شادی کرنا چاہتا ہے جبکہ ریشما محمود سے محبت کرتی ہے۔اشوک اور محمود کے کردار طاقت ور کردار ہیں۔ایک کے پاس فوج ہے اور دوسرے کے پاس مجاہد یہی وجہ ہے کہ دونوں ریشما کو پانے کے لیے بعض اوقات خون خرابہ تک کر گزرتے ہیں۔ناول کے دیگر ضمنی کرداروں میں بخشی، صادق، قاسم، فاروق، افضل بیگ اور اکبر جہاں کے کردار خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ریشما کے بخشی۔انکل (چاچا) صادق۔ماموں، قاسم۔سوتیلا بھائی، فاروق حقیقی بھائی اور اکبر جہاں ماں کے روپ میں پیش کیے گئے کردار ہیں۔یہ کردار شیخ محمد عبداللہ کے مقلد نظر آتے ہیں اور اسی راستے پر چلتے ہیں جس کی نشاندہی شیخ محمد عبداللہ نے کی تھی۔ان کرداروں میں انسانی فطرت کی عکاسی پائی جاتی ہے۔یہ بھی کرسی کی خاطر ریشما کی شادی اشوک سے کروانا چاہتے ہیں کیونکہ محمود سے انہیں کوئی توقع نہیں کہ وہ انہیں راج تاج کا موقع دے۔فاروق کا کردار ایک ایسے بھائی کا کردار ہے جو اشوک کی خوشنودی کے لیے اپنی بہن ریشما کے ارمانوں کے سینے پر پاؤں رکھ کر اقتدار میں آتا ہے۔یہاں تک کہ وہ گر جاتا ہے کہ بہن کو جان سے مارنے کی دھمکی دیتا ہے اور ریشما ان سب اپنے رشتوں کے پرائے رویئے سے تنگ ہو کر خود کشی کر لیتی ہے افضل بیگ کا کردار اہمیت کا حامل ہے۔افضل بیگ شیخ محمد عبداللہ کا قریبی ساتھی ہے اور شیخ محمد عبداللہ کی زندگی میں دائیں ہاتھ کی حیثیت رکھتا ہے۔اچھے اور برے وقت میں افضل بیگ شیخ محمد عبداللہ کا ساتھ نبھاتا ہے لیکن جب شیخ محمد عبداللہ اپنے بیٹے فاروق کو اپنا جانشین مقرر کرتا ہے تو دونوں میں رنجش ہو جاتی ہے۔افضل بیگ کو اپنا سفینہ پانی میں ڈوبتا نظر آتا ہے۔شیخ محمد عبداللہ اس راہ کے کانٹے کو ہمیشہ کے لیے ہٹانے کا منصوبہ بناتا ہے اور افضل بیگ پر جان لیوا حملے کرواتا ہے۔افضل بیگ شیخ محمد عبداللہ کی غلط پالیسیوں کو نجی محفلوں میں بیان کرتا ہے۔مگر کوئی بھی افضل بیگ کی باتوں پر یقین نہیں کرتا ہے۔ریشما کو اس بات کا دکھ ہوتا ہے کہ اس کے باپ نے اپنے دوست کی جان لینی چاہی لیکن اسے اس بات کی خوشی بھی ہوتی ہے کہ اشوک سے شادی کروانے والے دو شخص ایک دوسرے سے جدا

تو ہوئے۔ اکبر جہاں کا کردار ایک بیوی کی حیثیت سے مثبت کردار ہے کہ وہ اپنی بیٹی ریشما کو اس راستے پر چلنے کے لیے مشورہ دیتی ہے جس راستے کی نشاندہی اس کے شوہر شیخ محمد عبداللہ نے کی تھی۔ لیکن اکبر جہاں کا کردار ایک ماں کی حیثیت سے منفی کردار ہے جو اپنی بیٹی کے احساسات اور جذبات کی قدر نہیں کرتی ہے بلکہ اپنی نسلوں میں راج تاج دیکھنے کی خواہش مند ہے اکبر جہاں اپنے بیٹے فاروق سے کہتی ہے:

''دعا کرو ریشما عمر بھر جیئے مگر عقل اور شعور سے نہیں۔ یہ ہمیشہ قائم و دائم رہے مگر سوچ سمجھ سے عاری ہو کر ورنہ جیتے جی ہمیں اسی طرح پریشان کرتی رہے گی۔'' ۲۸

دیگر ضمنی کرداروں میں اندرا گاندھی، نہرو، سردار پٹیل اور اشوک کا ایلچی ڈاکٹر سبھر این وغیرہ شامل ہیں۔ یہ کردار واقعاتی لہروں پر وقتاً فوقتاً بھرتے ارڈوبتے رہتے ہیں۔ یہ کردار محدود وقتوں کے لیے نمایاں ہوتے ہیں اور اپنے حصے کا رول ادا کر کے معدوم ہو جاتے ہیں۔ اس ناول کے واقعات دراصل مرکزی کرداروں کے علاوہ چند ضمنی کرداروں کے بھی واقعات ہیں۔ جن کی مربوط زندگی ہمارے سامنے آتی ہے۔ الغرض شبنم قیوم کو کردار نگاری میں کافی مہارت حاصل ہے۔ ان کے کردار ریشما، محمود اور اشوک زندہ جاوید کردار ہیں۔ یہ کردار قاری کو اپنے خالق کی یاد ہمیشہ کرواتے رہیں گے۔

شبنم قیوم کی کردار نگاری کے حوالے سے خورشید عالم یوں اظہار خیال کرتے ہیں:

''کردار نگاری کے بارے میں بھی شبنم قیوم ایک کامیاب ناول نگار کہلانے کا مستحق ہے۔ انہوں نے جو کچھ بھی پیش کیا حقیقت پر مبنی ہے۔'' ۲۹

زبان و بیان

شبنم قیوم کے ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟'' کی زبان سادہ اور سلیس ہے۔ سادہ زبان میں اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرنے کا ہنر ناول نگار کو بخوبی آتا ہے۔ اس ناول کی زبان اس قدر آسان اور عام فہم ہے کہ پورے ناول میں کسی لفظ کا معنی دیکھنے کے لیے لغت کا سہارا نہیں لینا پڑتا ہے۔ اردو محاوروں کے علاوہ ایک کشمیری محاورہ ''کھینہ منز وکس'' استعمال ہوا ہے جس کے معنی ''اچھا خاصا کھا رہا تھا ناحق جھنجھٹ میں پڑا''۔ اس کشمیری زبان کے محاورے کو ناول نگار نے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اس طرح پیش کیا ہے:

''ریشما کے لیے ماضی کی کچھ مراعات مانگ کر اشوک کی ناراضگی مول لے

لی! کشمیری میں کہتے ہیں نا'' کھینہ منزوکس''وہی اس کو آیا۔اب تو پچھتا رہا
اور اس غلطی سے توبہ بھی کر رہا ہے۔'' ۳۰؎

ناول نگار کی مادری زبان کشمیری ہے۔کشمیری زبان بولنے والے جب اردو میں گفتگو کرتے ہیں تو ان کا کشمیری لہجہ ظاہر ہو جاتا ہے۔ناول نگار کے ہاں بھی یہ لہجہ کس حد تک دیکھنے کو ملتا ہے:

''اشوک کی خصلت سے تو تم واقف ہو، وہ بڑی مشکل سے من جاتا ہے''۳۱؎

ناول نگار زبان کے بارے میں کشادہ دل نظر آتا ہے۔انہوں نے انگریزی زبان کے الفاظ کا بھی بھرپور اور مناسب استعمال کیا ہے:

''اس بات پر موہوم سے خوشی مل رہی تھی کہ حکمرانی کی گارنٹی کے ساتھ
کروڑوں کی آفر کے باوجود کوئی اس کی آزادی کو کچلنے اور ضمیر فروشی کے لیے
تیار نہیں۔'' ۳۲؎

ناول نگار نے جا بجا موقعے کی مناسبت سے اشعار کا استعمال بھی کیا ہے۔پہلگام کی گیسٹ ہاؤس میں ۲۷ر ستمبر ۱۹۷۳ء کو شیخ محمد عبداللہ کشمیری قوم کی عزت و آبرو اقتدار کی خاطر مسز اندرا گاندھی کے قدموں میں رکھ آئے:

''جب وہ چائے نوش کر کے اندرا گاندی سے رخصت لے کر باہر آئے تو
ایک ہٹ کی تختی پر ان کی نظر پڑی لکھا تھا۔
دو لفظ نہ کہہ پائیں ہیں حق کی حمایت میں
آج وہ لُٹا آئے ہیں ایمان کا سرمایہ بھی '' ۳۳؎

میر تقی میر کا مشہور و معروف شعر ہے:

مؔیر کے دین و مذہب کو پوچھتے کیا ہو ان نے تو
قشقہ کھینچا دیر میں بیٹھا کب کا ترک اسلام کیا

شیخ محمد عبداللہ کی اصلی تصویر کھینچتے ہوئے ناول نگار نے اس شعر کو توڑ کر یوں پیش کیا ہے:

شیخ کے دین و مذہب کو پوچھتے کیا ہو اُن نے تو
دیوی کے مندر میں قشقہ کھینچا، اسلام کا استحصال کیا

مؔیر کا یہ شعر جب ناول نگار نے توڑا ہوگا تو مؔیر کی روح اپنی قبر میں تڑپ کر رہ گئی ہوگی اور چلا چلا کر کہتی ہوگی

اے نثر کے شیدائی تو نے میرے شعر کی کیا حالت بنا دی ہے۔اس ناول کی کامیابی کا ایک اور راز اس کے مکالمے ہیں۔مکالمے فطری انداز کے ہیں اور موقع و محل کے عین مطابق ہیں۔مثلاً ایک جگہ شیخ عبداللہ اور اس کی بیٹی ریشما کی گفتگو پیش کی گئی ہے جو نہایت فطری ہے:

''ریشما۔۔۔۔! کیا ہوا تمہیں۔۔۔۔؟ تم یہ کیسی بات کر رہی ہو؟
ابا جان۔۔۔۔ مجھے معاف کر دیجیے۔۔۔۔نہ جانے مجھے کیا ہو گیا ہے
میں بھی دیکھ رہا ہوں تمہیں کچھ نہ کچھ ہو گیا ہے۔۔۔۔تم مجھ سے کچھ
چھپا رہی ہو۔'' ۳۴

اس ناول کے مکالمے دلچسپ اور موزوں ہیں۔مکالموں کے ذریعے قاری پہچان لیتا ہے کہ کردار کس خصلت کے مالک ہیں۔ان مکالموں کے ذریعے قصہ آگے بڑھتا ہے اور کرداروں کے جذبات ، احساسات اور خیالات پر روشنی پڑتی ہے۔ظرافت کے اعلیٰ نمونے بھی ملتے ہیں۔ناول نگار نے شیخ محمد عبداللہ کے خصائل کا نقل مزاحیہ انداز میں یوں اتارا ہے، ذیل کے مکالمے ملاحظ فرمائیں:

''۔۔۔۔ریشما نے آواز دی
شیخ صاحب۔۔۔۔!
شیخ صاحب نے مڑ کر غصیلی نظروں سے دیکھا اور پوچھا
کیا ہے؟
ادھر آیئے میرے پاس!
شیخ صاحب اضطرابی کیفیت میں قریب آ کر کھڑے
ہوئے۔'' ۳۵

ریشما بولی ''میں جاننا چاہتی ہوں۔میرے سوتیلے بھائی قاسم کی چھوٹی کرسی میں کیا آپ سما سکیں گے۔
ناول نگار نے مکالموں میں طنز کے نشتر برسائے ہیں۔ایک جگہ ریشما شیخ محمد عبداللہ سے کہتی ہے:

''آپ کے لیے یہ بات ایسی ہوئی کہ شادی کے منڈپ پر دلہے کو کہا جائے
دلہن آپ کے ساتھ جانے کے لیے ابھی تیار نہیں'' ۳۶

ناول نگار نے طویل مکالمے بھی استعمال میں لائے ہیں لیکن قاری کو طوالت ناحق کا احساس نہیں ہوتا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ مکالموں کی زبان نہایت ہی سادہ ہے اور قاری کو طویل مکالموں کو پڑھتے ہوئے بھی کوفت محسوس نہیں

ہوتی ہے۔اس کے علاوہ طویل مکالموں سے کرداروں کے چال وچلن پر بھی روشنی پڑتی ہے۔شیخ عبداللہ اپنی بیٹی ریشما سے کہتا ہے:

ریشما۔۔۔! میں نے آج تم سے جو قربانی مانگی ہے۔اس قربانی کو میں کبھی بھی رائیگاں نہیں ہونے دوں گا۔تم نے میرے فرمان پر لبیک کہا۔تم نے میرے ایک اشارے پر اپنے ارمانوں کا گلا گھونٹا۔تم نے چاہتوں کو ملیا میٹ کر دیا اور تم۔۔۔۔تم نے یہ سب میرے کہنے پر کیا۔سنو ! میرا ایک ایمان اور ایک اصول ہے۔میں کبھی اپنے قول سے پھر جاوں اور تمہیں خودکشی کی حد تک پہنچاوں۔یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ایسا نہیں ہوسکتا۔۔۔ ریشما۔۔۔! تم مجھے غلط نہ سمجھو قدم قدم پر مجھے تمہاری قربانیوں کا خیال رکھنا ہے۔ایک باپ ہو کر اپنی بیٹی سے بے وفائی نہیں کر سکتا۔میں اپنے ایمان اور اصول کا سودا نہیں کر سکتا۔ریشما۔۔۔۔! میں تمہیں ایک بار اور کہے دیتا ہوں۔تم مجھے غلط سمجھنے کی کوشش نہ کرو۔۔۔۔'' ۳۷

ناول نگار نے مختصر مکالمے بھی استعمال میں لائے ہیں جو نہایت ہی خوبصورت اور فطری ہیں۔ایک جگہ شیخ محمد عبداللہ اور افضل بیگ کی گفتگو پیش کی گئی ہے، ملاحظ فرمائیں:

''اس سے کیا ہوگا۔۔۔۔؟
ایک کنفیوژن پیدا ہوگا
اس سے سانپ بھی مرے گا اور لاٹھی بھی نہ ٹوٹے گی !
میں سمجھ گیا۔اس طرح وادی کے لوگ غلط فہمی میں مبتلا
ہونے کے بجائے خوش فہمی میں مبتلا رہیں گے۔
ہاں جب تک کہ ہماری مقصد پورا ہوتا ہے۔
کیا آپ کو یقین ہے ہمارا مقصد پورا ہوگا' شیخ صاحب نے
پوچھا۔'' ۳۸

مکالموں میں آمد اور برجستگی پائی جاتی ہے مکالمے کے کرداروں کی حیثیت کے مطابق پیش کیے گئے ہیں اور ان کی فطرت اور سرشت کے آئینہ دار ہیں۔الغرض ناول نگار کی زبان و بیان اور مکالمہ نگاری میں خوبیاں زیادہ اور

خامیاں کم ہیں۔طنز ومزاح اور ظرافت اتم درجہ کی ہے۔زبان و بیان کے سلسلے میں ناول نگار کسی کا مقلد نظر نہیں آتا ہے۔وہ اپنے لیے نئی راہیں دریافت کرتے ہیں اور ان پر چلنے کی کوشش کرتے ہیں۔البتہ وہ کرشن چندر، سعادت حسن منٹو اور راجندر سنگھ بیدی جیسے فنکاروں سے متاثر نظر آتے ہیں اور ان کی تخلیقات سے استفادہ بھی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود شبنم قیوم بحیثیت ناول نگار اپنے رنگ کے ایک منفرد جنکار ہیں، جن کے تجربات اور مشاہدات سے آنے والی نسلوں کے علاوہ مستقبل کے قلم کار ہمیشہ فیض یاب ہوتے رہیں گے۔

نقطۂ نظر

ناول کا تعلق براہ راست زندگی سے ہوتا ہے۔انسان کے اندرونی جذبات واحساس کی جہاں تک ہوسکے مکمل عکاسی کرنا ناول نگار کا فرض اوّلین ہوتا ہے۔انسانی زندگی خوشی،غم ،کامیابی، ناکامی، اُمید اور یاس کا مجموعہ ہوتی ہے۔ناول نگار ان احساس کو اپنے خاص نقطۂ نظر سے پیش کرتا ہے اور قاری کو زندگی کے متعلق اپنے تجربات سے آگاہ کرتا ہے۔شبنم قیوم کا ناول'' یہ کس کا لہو ہے کون مرا ؟ ''ان کے ذاتی تجربات کا آئینہ ہے۔ناول نگار ایک گھریلو ملازم کی حیثیت سے ریاست جموں وکشمیر کے سابقہ نائب وزیر اعظم بخشی غلام محمد کی کوٹھی پر رہے یہاں پر انہیں ریاستی سیاست کو سمجھنے کا موقع ملا، اس سلسلے میں ناول نگار رقمطراز ہیں:

> ''۱۹۵۱ء۔۱۹۵۲ء میں بحیثیت ملازم کے مجھے بخشی غلام محمد کی کوٹھی پر رہنے کا موقع ملا۔یہاں میں نے ۲۴ر گھنٹے کے حساب سے ایک سال بھی زیادہ عرصہ گزارا،گھر جانے کی ضرورت پڑتی تو دن میں ایک گھنٹے کے لیے جاتا۔اس طرح دن اور رات بخشی صاحب کی کوٹھی میں ان ایام میں رہنے کا موقع ملا۔جب بخشی صاحب ڈپٹی پرائم منسٹر تھے۔یہ ایک سال میری زندگی کا اہم سال تھا جب میں نے جوانی میں قدم رکھا تھا البتہ یہاں کے قیام کے دوران میں نہ صرف بالغ ہوا بلکہ زندگی کا تجربہ بھی یہیں حاصل کرلیا۔یہاں مجھے کتنی ہستیوں سے ملنے کا موقع ملا اور کیا کیا دیکھنا نصیب ہوا۔'' ۳۹

بخشی صاحب محمد سابقہ وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کے بڑے وفادار اور تابعدار تھے لیکن جب مالک کل بن گئے تب بخشی نے رنگ بدل دیا۔شیخ محمد عبداللہ بھی اپنے اقتدار کی خاطر جا بجا بیانات بدلتے رہتے تھے۔یہی وہ ناول نگار کا تجرباتی سرمایہ ہے جس پر انہوں نے ناول'' یہ کس کا لہو ہے کون مرا ؟ '' کی بنیاد رکھی۔اگر یہ کہا جائے کہ

ناول نگار نے اس ناول کا خمیر بخشی غلام محمد کے گھر سے حاصل کیا تو بے جا نہ ہوگا۔ ناول نگار کا نقطۂ نظر دراصل ریاست جموں وکشمیر پر ہندوستانی سامراجیت کے خلاف ایک احتجاج، یہاں کے حکمرانوں کی اقتدار پرستی، شیخ محمد عبداللہ کی کشمیری قوم سے غداری اور ہندوستان کے بٹوارے سے آج تک کشمیریوں کے ناحق قتل عام پر مبنی ہے۔ ناول نگار نے ان تجربات ومشاہدات کو ناول کے فنی تقاضوں میں جذب کر کے پیش کیا ہے۔ ان کا نقطۂ نظر مسائل حیات کے علاوہ انسانی رابطوں، سماجی رشتوں اور معاشرتی پہلوؤں کی نئی جہت اور نئی معنویت تلاش کرنا ہے۔ مواد اور کردار اس انداز میں پیش کئے گئے ہیں کہ ایک باشعور قاری ناول نگار کا نقطۂ نظر پہچان لیتا ہے۔ ناول نگار کچھ باتوں پر بہت زور دیتا ہے اور ان کا بار بار اعادہ کرتا ہے مثلاً شیخ عبداللہ کی دوغلی پالیسی، ریشما کے ساتھ ظلم وزیادتی، بخشی، صادق، قاسم اور فاروق کا ریشما کو ڈھال کے طور پر استعمال کرنا وغیرہ۔ ان باتوں کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ناول نگار تحریک حُریت کشمیر سے متاثر ہے اور ریاست جموں وکشمیر کی خودمختاری اور آزادی کے حق میں ہے۔ ناول نگار کا نقطۂ نظر کشمیری قوم کے جذبات واحساسات کی عکاسی کرتا ہے۔ ریشما کا آزادی اور خودمختاری کے لیے ایک قیدی کی طرح تڑپنا اس بات کی دلیل ہے۔ نقطۂ نظر کو بنیاد بنا کر یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ ناول موثر ادب کا ایک حصہ ہے اور اس کا تعلق جذبات انسانی اور تاریخی حقائق زمانے کے اُلٹ پھیر سے کبھی ناقص نہیں ہوتے اور یہی موثر ادب خاصیت ہوتی ہے۔ ناول نگار ایک بے باک، نڈر اور جرأت مند قلم کار ہونے کی وجہ سے اپنا نقطۂ نظر استعاراتی انداز میں پیش کرتے ہیں۔ نقطۂ نظر کا عیاں ہو جانا، ناقدین ادب کے نزدیک ایک عیب ہے۔ مگر یہ بات سچ ہے کہ نقطۂ نظر کو گھوما پھرا کر پیش کرنے والوں کو اپنی جانیں عزیز ہوتی ہے۔ وہ ایسے موضوعات پر قلم اُٹھانے کی جرأت ہی نہیں کرتے ہیں جس سے ان کی ذات کو خطرہ لاحق ہو لیکن شبنم قیوم کا نقطۂ نظر روز وروشن کی طرح عیاں ہے۔ وہ اپنی کتاب ''سیکس پولیشن'' میں لکھتے ہیں:

> ''۱۹۷۵ء میں پہلا واقع رونما ہوا۔ جب کشمیری قوم کے ساتھ غداری کی گئی جسے ''اندرا عبداللہ اکارڈ'' کا نام دیا گیا میں نے '' یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟ '' لکھ کر شیخ محمد عبداللہ کو ایکسپوز کر دیا۔'' [۴۰]

الغرض ناول نگار نے نقطۂ نظر کو ناول کے فنی تقاضوں کے تحت برتنے کی سعی کی ہے اور اس میں وہ کسی حد تک کامیاب نظر آتے ہیں۔ انہوں نے بڑی ہنرمندی اور فنی اصولوں کو مدنظر رکھ کر ناول کو ترتیب دیا اور یہ ثابت کیا ہے کہ وہ ادب میں گہری واقفیت رکھتے ہیں۔

پلاٹ

شبنم قیوم کے ناول ''پچھتاوا'' کا پلاٹ اصول وحدت کے اعتبار سے سادہ پلاٹ کے زمرے میں آتا ہے۔ناول ''پچھتاوا'' سادہ پلاٹ کی بہترین مثال ہے۔اس ناول میں الیکٹرک محکمے کے ایک انجینئر کی زندگی پر روشنی ڈالی گئی ہے۔اس ناول کی کہانی میں ناہمواریت، خلا اور کھانچے نہیں ہیں۔دراصل کہانی میں چستی ، حسن ترتیب، تناسب اور توازن پایا جاتا ہے۔واقعات کو فطری انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ کر پیش کیا گیا ہے اور سانحات منطقی پیرائے میں ظہور پذیر ہوتے ہیں۔تعمیری نقطۂ نظر کے لحاظ سے ناول ''پچھتاوا'' کا پلاٹ منظّم پلاٹ کے زمرے میں شامل ہوتا ہے۔اس ناول کی کہانی ایک بے جوڑ دھا گا معلوم ہوتی ہے۔انیل رینا اس ناول کا مرکزی کردار ہے۔انیل کو سیکس اور جرائم کی کہانیاں پڑھنے کا شوق ہے۔پیشے کے لحاظ سے وہ ایک انجینئر ہے۔اس کی بیوی آشا بھان اسکول ٹیچر ہے۔ان کی بیٹی ''نیلم'' ۱۵/سال کی ہے اور بیٹے کی عمر ۱۳/سال ہے۔انیل رینا کا پڑوسی اور لنگوٹیا یار اسلم میر ہے۔کشمیر میں جب عسکری تحریک کا آغاز ہوا اور کشمیری پنڈتوں نے وادی سے عارضی ہجرت فیصلہ کر لیا تو اسلم میر اور ان کے بھائی میر عالم (پولیس انسپکٹر) نے انیل رینا کو ہجرت کرنے سے روک لیا اور ان کی حفاظت کے لیے سکیورٹی مہیا کی۔اپریل کے شروع میں اتوار کی صبح ناشتہ کے بعد انیل رینہ حسب عادت اخبارات اور جنسیات سے متعلق کہانیوں کا مطالعہ کرنے لگا۔''سیکس پولوشن'' نامی کتاب آج بھی ان کے مطالعے میں شامل تھی۔شام کے وقت انیل رینا اپنے دوست اسلم میر کے گھر گیا دونوں بیٹھ کر پرانی باتیں ایک دوسرے کو سنانے لگے۔انیل رینا نے ''سیکس پولیوشن'' سے حاصل کی ہوئی سیکس سے متعلق جانکاری اسلم کو دی کہ آج ہمارے معاشرے میں سیکس کا ایک سیلاب آ چکا ہے۔۳۳/فیصد اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والی طالبات اپنے پرس (بیگ) میں کنڈم یعنی چھتری اور مانع حمل گولیاں رکھتی ہیں۔ملک بھر میں ایک منٹ میں ایک ریپ اور پانچ منٹ میں ایک اغوا کا کیس رونما ہوتا ہے۔۲۴/گھنٹوں میں ڈیڑھ لاکھ بچے پیدا ہوتے ہیں۔ان میں سے ۲۵/سے ۳۰/فیصد بچے حرامی یا ناجائز ہوتے ہیں۔ان میں ۲۰/سے ۲۵/فیصد بچوں کو جو ناجائز ہوتے ہیں جنم کے ساتھ ہی مار دیا جاتا ہے۔۔۔۔پورے ملک میں چوبیس گھنٹوں کے اندر ایک لاکھ ساٹھ ہزار تک خواتین اپنے حمل گراتی ہیں۔اسلم میر نے کہا، انیل۔۔۔! آپ دیکھ رہے ہوں گے، بلیو فلموں کا چلن کتنا عام ہو چکا ہے۔کیمپوٹر اور لیپ ٹاپ نے بلیو فلموں کی مانگ اس قدر بڑھا دی ہے کہ بوڑھے اور جوان مرد کیا، لڑکے لڑکیاں بلیو فلمیں دیکھنے کے رسیا ہیں۔ان بلیو فلموں نے نابالغ لڑکے، لڑکیوں کو بالغ بنا دیا اور سیکس میں گرفتار کر کے رکھ دیا۔انیل نے کہا میرا

ماننا ہے۔ کہ ٹی۔وی کے مختلف چینل سیکس کو عام کرنے میں اہم رول ادا کر رہے ہیں آج کی فلمیں فیملی کے ساتھ بیٹھ کر دیکھنا بہت مشکل ہے۔ میں تو ٹی۔وی دیکھنے دوران رموٹ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہوں جوں ہی کوئی گندہ سین آتا ہے میں چینل موڑ دیتا ہوں۔اسلم میر بولا اتنی دیر ہم نے ملک اور سماج کی بدکاری کو خوب اُچھالا ہے اگر ہم اپنے گریباں میں میں منہ ڈال کر دیکھیں تو یقیناً شرمندہ ہونا پڑے گا۔انیل جھٹ سے بولا ہاں۔جوانی کے دنوں میں کہیں لڑکیوں سے میرا عشق رہا دو ایک سے جنسی تعلقات بھی رہے۔فہمیدہ کے ساتھ مباشرت کرتے جب پکڑا گیا تو میری اتنی پٹائی ہوئی کہ مہینوں چلنے پھرنے کے قابل نہ رہا۔اسلم میر بھی کہاں چپ رہنے والا تھا۔میرا بھی ایک کشمیری پنڈت لڑکی کے ساتھ جنسی تعلق رہا ہے ایک اور پنڈتانی جو دو بچوں کی ماں تھی وہ بھی میرے ساتھ موج مستی کیا کرتی تھی۔انیل رینا اور میر اسلم جنسیات سے متعلق ملک اور سماج کی خبر تو رکھتے تھے لیکن انہیں اپنے گھروں کی خبر نہ تھی۔اسلم کے بیٹے جنید اور انیل رینا کی بیٹی نیلم کے درمیان جنسی تعلق قائم تھا۔انیل نے اپنے بیوی آشا بھان کو ایک دوائی دی تھی کہ اگر کہیں بیٹی کے قدم ڈگمگا جائیں اور تعلیم حاصل کرنے کے بہانے اگر کوئی اور گل کھلائے تو اس سے کہنا یہ دوائی کھالے۔آشا اپنی بیٹی کو یہ سب نہ کہہ سکی لیکن اپنے شوہر کی کہی ہوئی باتیں ایک کاغذ پر لکھ کر دوائی کے ساتھ نیلم کو دے دیتی ہے۔نیلم جب جنید کے ساتھ ناجائز تعلق قائم کرنے کی وجہ سے حاملہ ہوگئی تو ایک رات بدنامی کے ڈر سے دوائی کھالیتی ہے۔آشا بھان اس واقع کے بعد انیل کو اپنی بیٹی کا قاتل سمجھتی ہے اور انیل اس سے کہتا ہے تم نے اس سے ایسا کرنے سے روکا کیوں نہیں۔۔۔۔آشا بھان پچھتاتی ہے کی اُس کی بیٹی نے ان کے کہے پر عمل کیوں کیا؟ دونوں میاں بیوی کے درمیاں دوریاں بڑھتی چلی جاتی ہے۔ایک دن تنگ آ کر انیل جموں میں اپنے دوست مہیش کے یہاں چلا جاتا ہے۔مہیش کا مکان روپ نگر جموں میں ہے۔یہ بھی کشمیری پنڈت ہے اور وادی سے نکلنے کے بعد یہاں پر مکمل سکونت اختیار کر چکا ہے۔ایک شام انیل اور مہیش باہو فورٹ کے باغ میں سیر پر نکلتے ہیں۔رات کافی گزر چکی ہوتی ہے اور وہ واپس گھر کی طرف آتے ہے لیکن سڑک پر انہیں ایک لاش نظر آتی ہے جس کے پاس سے ایک تیز رفتار گاڑی گزرتی ہے اور مہیش اس مشتبہ گاڑی کا پیچھا کرتا ہے اور انیل کو لاش کے پاس رہنے کو کہتا ہے۔انیل جب لاش کو دیکھتا ہے تو وہ اس کی معشوقہ لتیکا کے پتی کلدیپ کی لاش ہے۔وہ ایک ٹیکسی والے کی مدد سے اسے ہسپتال لے جانا چاہتا ہے کیوں کہ کلدیپ کی سانسیں تب تک چل رہی تھیں۔ہسپتال جاتے ہوئے کلدیپ نے دم توڑ دیا تو وہ ڈرائیور کو کہتا ہے کہ اس سے روپ نگر لے چلو۔روپ نگر میں کلدیپ کی لاش جب اس کے گھر پہنچائی جاتی ہے تو کلدیپ کے گھر والے اور انیل کی معشوقہ لتیکا انیل کو ہی قاتل سمجھتے ہیں۔انیل ساری کہانی

بتا تا ہےلیکن کوئی اس پر یقین نہیں کرتا ہے۔ پولیس انیل کے دوست مہیش سے جب یہ دریافت کرتی ہے کہ کیا وہ انیل کو جانتا ہےتو مہیش بھی انکار کر دیتا ہے۔مشکل کی اس گھڑی میں اپنے پرائے سب ساتھ چھوڑ دیتے ہیں۔انیل کو پچھتاوا ہوتا ہے کہ وہ جموں کیوں آیااوراس کا جگری دوست بھی دوکھے باز نکلا۔

انیل کو پولیس اسٹیشن کے حوالات میں بند کر دیا جا تا ہے۔ چندروز کے بعد وہ بیمار ہو جا تا ہےاسے جموں کے سرکاری ہسپتال میں منتقل کیا جا تا ہے۔ادھر مہیش بھی اپنے کئے پر پچھتا تا ہے کہ اس نے اپنے بہنوئی کو بچانے کے لیےاپنے دوست کو بلی چڑھا دیا۔لتیکا کی غلط فہمی بھی دور ہو جاتی ہےاوروہ انیل کی بیوی آشا بھان کوفون کر کے سب روداد بتاتی ہےاورخود مہیش اورلتیکا پولیس کوسچائی بتانے کے لیے پولیس اسٹیشن جاتے ہیں۔ پولیس اسٹیشن کا ایس ایچ او(S H O) انہیں بتا تا ہے کہ وہ صحت خراب ہونے کی وجہ سے ہسپتال میں ایڈمٹ(Admit) کر دیا گیا ہے۔مہیش اورلتیکا ہسپتال پہنچتے ہیں۔لیکن ہسپتال کے گیٹ سے انیل کی لاش پولیس کے سپاہی باہر لا رہے ہوتے ہیں۔مہیش اورلتیکا زاروقطاررونے لگتے ہیں۔ان کی وجہ سےایک بےقصورانسان موت کے گھاٹ اُتر چکا تھا۔انہیں اپنے کئے پر پچھتاوا ہور ہا تھا،دوسری طرف جب انیل کی بیوی آشا بھان سرینگر سے جموں آ کراپنے شوہر کی لاش دیکھتی ہےتو تڑپ کر رہ جاتی ہے۔اس کے رونے کی آوازیں آسماں کوچھورہیں تھیں اوراس سےبھی پچھتاوا ہور ہا تھا کہ کاش اس نے اپنے پتی کواس قدرستایا نہ ہوتا کہ اس سےایک مجرم کی موت ملتی جب کہ اپنی بیٹی کی قاتل وہ خودبھی تھی۔ اس ناول کے واقعات فطری انداز میں ایک دوسرے سے جڑے ہیں اور پورے ناول میں کہیں پر بھی ناہمواریت کااحساس نہیں ہوتا ہے۔اس ناول میں تجسس اس قدر ہے کہ’’ آگے کیا ہوگا ‘‘ کا سوال شروع سےآخر تک قاری کے ذہن میں گھومتا رہتا ہے۔اس ناول کا اختتام اس طرح ناول نگار نے کیا ہے کہ ناول ختم ہونے کے بعد بےشمار کہانیاں قاری کے ذہن میں بننا شروع ہوجاتی ہے یہی اس ناول کی کامیابی کاراز ہے۔

طاہر مضطراپنے مضمون’’شبنم قیوم،ایک ہمہ جہت ومنفرد شخصیت‘‘ میں ناول’’ پچھتاوا‘‘ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ’’اس ناول کی تھیم کواگر ہم جنسی پیرایئے میں لے لیں تو شبنم قیوم سعادت حسن منٹواورعصمت چغتائی کےہم پلہ آجاتے ہیں۔‘‘ [۴۱]

کردارنگاری

ناول کے اجزائے ترکیبی میں کردارنگاری ایک اہم جزو ہے۔اگر یہ کہا جائے کہ ناول کےاجزائے ترکیبی

میں کردارنگاری ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہےتو بے جانہ ہوگا۔ناول کی کامیابی اورنا کامیابی کادارومدارکرداروں پر ہوتا ہے۔افرادقصہ یا کردار جتنے حقیقی زندگی کےقریب ہوں گے ناول اتناہی کامیاب ہوگااوردوسری طرف کردار جتنے حقیقی زندگی سے دور ہونگے تو ناول اتناہی ناکام ہوگا۔شبنم قیوم کوکردارنگاری پرقدرت حاصل ہے۔ان کے ناول ''پچھتاوا'' کےکرداراصلی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں۔جس طرح انسان حالات کےتحت تبدیلی کا شکار ہوتا ہےاسی طرح ناول ''پچھتاوا'' کےکردارخوشی،غمی،آزادی،مجبوری اوردیگرسازگاراورناسازگارحالات کے وجہ سےتغیر پزیر ہوتے ہیں۔اس ناول میں انیل رینا،آشا بھان،اسلم میر،ناہیدہ،نیلم،جنید،لتیکا،،مہیش وغیرہ کےکردار ہیں۔ان میں انیل رینااوراس کی بیوی آشا بھان کا کردارمرکزی حیثیت رکھتے ہیں۔انیل کا کردار پیچیدہ کردار(Round Character) کے زمرے میں آتا ہے۔یہ کردار حالات کے مطابق بدلتا ہے۔جوانی کے دنوں میں انیل کا معاشقہ کئی لڑکیوں کے ساتھ رہا۔فہمیدہ بھی اس کے ہوس کا شکار بنی،کلدیپ کی بیوی لتیکا سے اس کا پرانا معاشقہ ہےلیکن جب وقت بدلتا ہےانیل جوانی سے ادھیڑعمرکو پہنچتا ہےتواس کی سوچ بدل جاتی ہےاورچال چلن پہلے جیسے نہیں رہتے ہیں۔اسے اپنی بیٹی نیلم کی فکرلاحق ہوتی ہے کہ نہ جانے کب اس کے پاؤں ڈمگا جائیں گےاوروہ خاندان کی عزت مٹی میں ملادے گی۔جوانی کے دنوں میں بدمعاش رہنے والےانیل اپنی بیٹی کے جوان ہوتے ہی غیرت مندی کا پیکر بن جاتا ہے۔آشا بھان ناول کی ہیروئن ہے،یہ نسوانی کرداراپنے اندرایک عورت کی تمام خوبیوں اورخامیاں رکھتا ہے۔آشا بھان اسکول ٹیچر ہونے کےساتھ ساتھ بیوی اور ماں کے روپ میں سامنےآتی ہے۔اپنی بیٹی کی خودکشی کے بعدوہ ہروقت اداسی رہتی ہے وہ اپنے شوہرکو بیٹی کا قاتل سمجھتی ہے۔انیل کا گھر جوکبھی خوشیوں کا گہوارہ ہوا کرتا تھاماتم کدہ بن کررہ جاتا ہے۔آشا بھان کےاس برتاؤسےتنگ آکرانیل جموں میں اپنے دوست مہیش ناتھ کے گھر چلاآتا ہے یہاں وہ بےشمارمصیبتوں سے دوچار ہوتا ہےاورآخراس کی موت پراس کی کہانی ختم ہوتی ہے۔آشا بھان منفی سوچ والی عورت ثابت ہوتی ہے جوحالات سے سمجھوتہ نہیں کرپاتی ہےاوراپنے ہی ہاتھوں اپنے سہاگ کواجاڑ دیتی ہے۔ضمنی کرداروں میں اسلم میر کا کرداراہمیت کا حامل ہے۔اسلم میراپنے دوست انیل اور اس کے گھر والوں کوکشمیر سے دیگر کشمیری پنڈتوں کے ساتھ ہجرت کرنے سے روکتا ہےاورانیل کےاہل وعیال کی حفاظت کی ذمہ داری اُٹھاتا ہے،اسلم میر ہندومسلم اتحاد کی مثال قائم کرتا ہے۔انیل کے دکھ سکھ میں برابرشریک رہتا ہےاورانسانیت کا قرض نبھاتا ہے۔اسلم میر کا جوانی کے دنوں میں ایک ڈراما آرٹسٹ کشمیری پنڈٹ لڑکی اورایک شادی شدہ پنڈتانی کے ساتھ جنسی تعلق رہا ہے۔اسلم میر کا کردار گوشت پوشت کا انسان معلوم ہوتا ہے مٹی کا

مدھونہیں۔اس لیے اس کردار کو پیچیدہ کردار کی ایک اہم مثال کہا جا سکتا ہے۔مہیش ناتھ کا کردار ایک ایسے دوست کا کردار ہے جو مصیبت کے وقت ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔مہیش ناتھ جانتا ہے کہ انیل بے گناہ ہے لیکن مہیش اصل قاتل اپنے بہنوئی راجندر کو بچانے کے لیے جھوٹ سے کام لیتا ہے اور اپنے دوست کو بلی کا بکرا بنا دیتا ہے۔لتیکا کا کردار ایک ایسا ہرجائی نسوانی کردار ہے جو کلدیپ کی بیوی بننے سے قبل انیل سے موج مستی کرتی ہے اور شادی کے بعد بھی وہ انیل سے رنگ رلیاں منانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتی اور موقع ملتے ہی وہ انیل سے اپنی جنسی پیاس بجھاتی ہے۔ ضمنی یا معاون کرداروں میں جنید اور نیلم کے کردار اہمیت کے حامل ہیں۔جنید،اسلم میر کا کلوتا بیٹا ہے اور نیلم،انیل رینا کی بیٹی ہے دونوں سن بلوغت کو پہنچ چکے ہیں،دونوں ہم جماعت ہیں اور ایک دوسرے کے گھر آنا جانا ہے۔اسکول سے واپس آکر اکثر دونوں ٹینس کھیلتے ہیں۔اس دوستی اور کھیل کود سے دونوں ایک روز آگے بڑھ گئے اور نیلم حاملہ ہوگئی اور پھر بدنامی کے خوف سے اس خودکشی کرلی۔اس کے علاوہ مہیش ناتھ کی ماں سرلا دیوی اور بیوی نرملا،اسلم میر کی بیوی ناہیدہ،پولیس آفیسر پریم ناتھ،انیل کا بیٹا راجو وغیرہ اس ناول کے وہ کردار ہیں جو واقعاتی لہروں کے ساتھ ظاہر ہوتے ہیں اور اپنے حصے کا رول نبھا کر غائب ہوجاتے ہیں۔الغرض مرکزی کرداروں کی موبوط زندگی ہمارے سامنے آتی ہے۔ناول نگار نے ان کرداروں کو تراشنے میں اپنا پورا زور قلم صرف کیا ہے اور انہیں ادب میں ایک لافانی حیثیت عطا کی ہے۔

محمد ارشاق نے ناول ''پچھتاوا'' کی کردار نگاری پر اپنے خیال کا اظہار اس طرح کیا ہے:

''اس ناول میں کردار اصل زندگی کی مثال قائم کرتے ہیں جن سے ہمیں
اک دوسرے کے غم،خوشی میں برابر کا شریک ہونا پڑتا ہے۔'' ؁۴۲

زبان وبیان

شبنم قیوم کے ناول ''پچھتاوا'' کی زبان عام بول چال کی زبان ہے۔ایک ایسی زبان جیسے عام قاری سمجھ سکتا ہے اس ناول کی زبان بناوسنگھار سے پاک ہے۔یہی وجہ ہے کہ قاری کی توجہ اصل موضوع یعنی کہانی یا واقعات سے بھٹکی نہیں ہے۔اس کے علاوہ انگریزی زبان کے الفاظ بڑے سلیقے سے استعمال ہوئے ہیں اور ان میں ایک تسلسل پایا جاتا ہے جیسے:

''جنید نے دروازہ بند کر کے رانی کے لیے کھونٹی سے شرٹ اُتاری رانی نے
جوں ہی جمپر اور شمیز اتاری تو انڈرویر (کچھے اور بنیان) میں اس کا جسم

دیکھ کر جنید کو ایک دم کرنٹ سی لگ گئی۔'' ۴۳؎

اس ناول کا موضوع جنس ہے اس لیے بعض جگہ غیر ادبی زبان کا ستعمال ہوا ہے لیکن ایسی زبان جنس کے موضوع کا تقاضا بھی ہے۔ جنسی بے راہ روی ٹی۔وی، انٹرنیٹ اور موبائل فون وغیرہ سے عام ہو رہی ہے۔ ٹی۔وی کے ایک چینل پر پیش کیا جا رہا سین یوں بیان کیا ہے:

''قرینہ کپور اور سلمان خان نیم عریاں ہو کر سیکس میں مبتلا ہے۔سلمان قرینہ کی ننگی رانوں پر ہاتھ پھیر رہا ہے۔دونوں ایک دوسرے پر چڑھ کے پیٹ سے پیٹ ملا رہے ہیں۔سلمان قرینہ کو اپنی گود میں لے کر اس کے ہونٹ اور سرخ رخسار چوم رہا ہے۔'' ۴۴؎

اس ناول کی ایسی غیر ادبی زبان اور حقائق کے انکشافات اگر کسی کو برداشت نہ ہوں تو بقول سعادت حسن منٹو یہی کہا جا سکتا ہے کہ اگر آپ اس کہانی کو برداشت نہیں کر سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ زمانہ نا قابل برداشت ہے۔ مجھ میں جو برائیاں ہیں وہ اس عہد کی برائیاں ہیں۔ میری تحریر میں کوئی نقص نہیں جس نقص کو میرے نام سے منسوب کیا جاتا ہے وہ اصل میں موجودہ نظام کا نقص ہے۔ شبنم قیوم نے زبان کے استعمال کے سلسلے میں کشادہ دلی سے کام لیا ہے۔ناول میں انگریزی کے علاوہ پنجابی اور ہندی الفاظ بھی کثرت سے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شبنم قیوم کو اردو کے علاوہ دوسری زبانوں پر بھی دسترس حاصل ہے۔ایک جگہ پنجابی زبان کے لفظ ''یار'' اور ہندی زبان کا لفظ ''وشواس گھات'' کا استعمال یوں کرتے ہیں:

''تمہارے بچاؤ کے لیے میرا ارادہ بدل گیا۔میں نے اپنے یار کے ساتھ وشواس گھات کیا۔'' ۴۵؎

ناول نگار کا سلوب بیان منفرد انداز کا ہے۔اسلوب کے سلسلے میں وہ کسی کے پیروکار کا مقلد نہیں ہیں۔ مکالمے کرداروں کی حیثیت کے مطابق ہیں۔انیل رینا جب مہیش کی ماں سے ملاقی ہوتا ہے تو دونوں کے درمیان گفتگو ہوتی ہے جو مہیش کی ماں اور انیل کی عمر کے مطابق ہے:

''مہیش کی ماتا سرلا دیوی انیل کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی، کیسے ہو بیٹا !

آپ کی عنایت

بھگوان تمہیں سلامت رکھے، آو بیٹھو ! ۴۶؎

یہ ناول جنس پر مبنی ہے اور جنس انسانی زندگی کا ایک اہم پہلو ہے جس سے انکار ممکن نہیں ہے جنس سے

متعلق گفتگو بھی باعث لذت ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ طویل مکالمے بھی قاری پر بوجھ نہیں بنتے اور قاری طویل مکالموں سے بھی لطف انداز ہوتا ہے۔ایک جگہ نیلم اور جنید کی گفتگو پیش کی گئی ہے، ملاحظہ فرمائیں:

''جنید۔۔۔۔۔! یہی صورتحال میری بھی ہے۔جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے میں بھی ٹی۔وی چینلوں پر یعنی بڑے اور چھوٹے پردے پر عورت اور مرد ،لڑکی اور لڑکے کے درمیان سیکس کے سین دیکھ کر اور ان پردوں پر شادی کے موقعے پر سہاگ رات کے سین دیکھ کر ایک لڑکے کی ضرورت محسوس کرتی ہوں تا کہ بھی ایسا ہی سین دہراسکوں ،ایک لذت بخش سکون حاصل کرسکوں ۔لیکن خود کو اکیلا دیکھ کر بس ایک ٹھنڈی آہ بھر لیتی ہوں۔'' ۴۷ؔ

مختصر مکالمے نہایت ہی خوبصورت ،دلکش اور فطری ہیں ۔ان مکالموں میں آمد اور برجستگی کا احساس ہوتا ہے۔ایک جگہ کلدیپ کی بیوی لتیکا جو انیل کی معشوقہ بھی ہے۔انیل سے مخاطب ہو کر کہتی ہے:

''انیل۔۔۔۔! مجھے یہ کیا ہو گیا

کیا ہو گیا۔۔۔۔؟

اگر ایک دن میں تمہیں نہیں دیکھوں تو دوسرے دن پاگل سی ہو جاتی ہیں

یہی حالت میری بھی ہے

جھوٹ بولتے ہو۔۔۔۔! تم نے میرا آرام اور قرار چھین لیا ہے

صرف آرام اور قرار۔۔۔۔ارے تم نے میرا سب کچھ چھین لیا

میں نہیں مانتی! '' ۴۸ؔ

مختصراً یہ کہنے میں کوئی قباحت نہیں کہ شبنم قیوم کی زبان سادہ ،سلیس ،صاف اور نکھری ہوئی ہے۔زبان کے بناؤ سنگار سے انہیں دور دور تک بھی کوئی واسطہ نہیں ہے۔انہیں عام الفاظ میں خاص موضوع قید کرنے کا ہنر آتا ہے۔ ان کے چھوٹے چھوٹے جملے سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی تاب رکھتے ہیں ۔جنس اور آزادی ان کے خاص موضوعات ہیں ۔ان موضوعات کو شبنم قیوم اپنے خاص اسلوب میں پیش کرتے ہیں ۔ان کا یہ مخصوص اسلوب بیان اور نکھری ہوئی سیدھی سادی زبان قدرت کی طرف سے ایک عطیہ ہے ۔ان کے اسلوب بیان (ڈکشن) سے نہ جانے کتنی چراغیں روشن ہوں گی اور مستقبل میں ادبی روشنی کا منبع بنیں گی۔

نقطۂ نظر

ایک تخلیق کار کی ہر تخلیق کے پیچھے کوئی نقطۂ نظر کارفرما ہوتا ہے۔تخلیق کار جس نگاہ سے کائنات کا مشاہدہ کرتا ہے وہ نگاہ ایک عام انسان کی نگاہ سے ہٹ کر ہوتی ہے اور یہ بھی صداقت ہے کہ ہر انسان کائنات کی ہر شئے کو اپنے زاوئیہ نگاہ سے دیکھنے کی کوشش کرتا ہے۔اپنے مشاہدات و تجربات کا قائل دوسروں کی بنانے سعی کرتا ہے لیکن ایک فنکار کائنات میں جو کچھ اپنے زاوئیہ نگاہ سے دیکھتا ہے وہ دوسروں کو دکھانے کی کوشش کرتا ہے اور وہ قاری کو اپنا قائل یا مقلد نہیں بناتا بلکہ ایک دعوت فکر دیتا ہے۔ہر ناول نگار کا اپنا مخصوص نقطۂ نظر ہوتا ہے جب وہ کوئی موضوع چنتا ہے اور اس پر قلم اٹھاتا ہے تو گویا اس موضوع پر وہ اپنے خیالات،جذبات،احساسات،مشاہدات اور تجربات کا اظہار کرتا ہے اور اپنی رائے پیش کرتا ہے۔ناول کے نقطۂ نظر کے حوالے سے نورالحسن نقوی یوں لکھتے ہیں:

> ''کسی موجِ تہ نشیں کی طرح نقطۂ نظر کو ناول میں جاری وساری تو ضرور ہونا چاہیے مگر ایسا نہ ہونا چاہیے کہ یہ فن پر حاوی ہوجائے اور ناول کے حسن کو مجروح کردے'' ۴۹

نقطۂ نظر کے بغیر تخلیق کا وجود ممکن نہیں اور اپنے نقطۂ نظر کو قاری کے سامنے پیش کرنے کی خاطر ناول نگار تخلیق کا کرب برداشت کرتا ہے۔ناول ''پچھتاوا'' میں شبنم قیوم نے اپنے نقطۂ نظر کو پس پردہ رکھا ہے۔ناول کے آغاز سے انجام تک قاری ناول نگار کے تجربات اور مشاہدات سے متاثر رہتا ہے۔زندگی کی تلخ حقائق سے متعلق شبنم قیوم کا نظریہ گہرا،وسیع،صالح اور صحت مندانہ ہے۔جنس سے متعلق ان کی دو کتابیں ''کشمیر میں خواتین کی بے حرمتی''۱۹۹۱ء اور سیکس پولیوشن ۲۰۰۶ء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔۱۹۱۹ء سے ۲۰۱۵ء تک ناول نگار کے پاس جنسیات سے متعلق اچھا خاصا مواد جمع ہو چکا ہے جو حقائق پر مبنی ہے۔ان ہی تلخ حقائق کو شبنم قیوم نے ناول ''پچھتاوا'' کی صورت میں پیش کیا ہے۔کشمیر میں بھارتیہ سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں مسلم خواتین کے علاوہ پنڈت برادری کی خواتین بھی جنس تشدد کا نشانہ بنیں۔اس ظلم و جبر سے متعلق شبنم قیوم لکھتے ہیں:

> ''سیکورٹی کے نو(۹) جوانوں نے دو غیر مسلم خواتین گرجا بان زوجہ دلیپ کمار بان،ملازم ریڈیو کشمیر اور جیجا زوجہ اے کے کول جو انجینئر ٹیلی مواصلات کی ان کے گھر میں آبروریزی کی۔چوں کہ غیر مسلم خواتین کی عزت پر کشمیر میں یہ پہلا واقع تھا جو منظر عام پر آیا۔ویسے وادی کشمیر سے

نکل جانے کے بعد کشمیری پنڈت عورتوں اور لڑکیوں کے ڈوگروں کے
ہاتھوں اغوا اور زنا بالجبر کے بے شمار واقعات رونما ہو چکے ہیں۔'' ۵۰؎

ناول ''پچھتاوا'' کی کہانی کشمیری پنڈت انیل رینا کی ہے جس کی بیٹی نیلم جنسی تشدد بنی اور انیل کے دوست کشمیری مہاجر مہیش ناتھ کی کمسن بیٹی بھی کشمیر سے ہجرت کے بعد جموں سے اغوا کر لی گئی۔ اغوا اور زنا بالجبر کی کہانی تو ایک طرف نئی نسل سائنسی ایجادات، انٹرنیٹ، موبائل، ٹی۔وی وغیرہ کا غلط استعمال کر کے جنسی بے راہ روی کا شکار ہو رہی ہے۔ ترقی یافتہ دور کی ان ایجادات کو ناول نگار نے اپنے زاویۂ نگاہ سے پرکھا ہے۔ آج کے سماج میں ٹی۔وی، انٹرنیٹ، موبائل اور ٹی۔وی کی وجہ سے پھیل رہی برائیوں کی عکاسی یوں کرتے ہیں:

''آٹھ روز موبائل پر رات کے ۱۱ بجے جنید کو رانی کا فون آیا
جنید نے موبائیل پر رانی کا نمبر دیکھا تو پوچھا
۔۔۔۔کیا بات ہے؟ اس وقت !
تم اس وقت کیا کر رہے ہیں؟ رانی نے پوچھا
میں بستر پر آیا ہوں، سونے کے لیے !
کمرے میں اور کون ہے ؟
کوئی نہیں۔۔۔۔تم جانتی ہو، میں اکیلا سوتا ہوں
ٹی۔وی آن کر لو۔۔۔۹ بلیو چینل لگاؤ ! قرینہ اور سلمان کو دیکھو کیا کر رہے
ہیں ؟ یہ سب یاد رکھنا !
کیا ہے اس میں۔۔۔۔ !
دیکھ تو لو دیکھنے والا سین ہے اور یاد بھی رکھنا ہے۔'' ۵۱؎

شبنم قیوم حساس دل کے مالک میں ان کی نگاہ ان چیزوں کو دیکھتی ہے جہاں پر عام آدمی کی نظر نہیں پہنچتی اور عام آدمی کی نگاہ اگر پہنچ بھی جائے تو ان چیزوں پر غور وفکر نہیں کرتا اور نہ ہی سنجیدگی کا مظاہرہ کر پاتا ہے۔ ٹیلی ویژن پر خبروں کے دوران ایسے اشتہارات دیکھنے پڑتے ہیں۔ جنہیں ایک شریف انسان برداش نہیں کر سکتا شبنم قیوم ایسے اشتہارات کو بھی سماج میں برائی پھیلانے کا ایک ذریعہ مانتے ہیں۔ ایک جگہ انیل رینا اسلم میر سے کہتا ہے:

''ماڈلنگ اور اشتہاری پیشے میں بھی ایک دوڑ لگی ہے۔ عورتوں کی طرح مرد
بھی اپنا ننگا جسم شو کرتا ہے۔ قد آور صحت مند جوان اپنی عریاں باڈی لے کر

جوشو کرتا ہے اس کا نام ''میل اسٹر یپر'' رکھا گیا ہے یعنی مردوں کا ننگا پن،
پہلے یہ عورتوں کے لئے حق محفوظ تھا۔اب مرد بھی اس دوڑ میں لگے ہیں۔''
۵۲

شبنم قیوم ناول ''پچھتاوا'' میں قدم قدم پر ایسے حقائق کی نشاندہی کرتے ہیں جن سے سماج میں برائیاں پھیل رہی ہیں۔وہ برائیوں پر پردہ ڈال کر انہیں بڑھانا نہیں چاہتے بلکہ سعادت حسن منٹو اور عصمت چغتائی کی طرح برائیوں کو سامنے لاکر بزورقلم ان کا قلعہ قمع کرنا چاہتے ہیں۔وہ سائنس دور کے خرافات کا مشاہدہ کرتے ہیں اور سماج میں سائنسی ایجادات کی وجہ سے پھیل رہی برائیوں پر احتجاج کرتے ہیں۔شبنم قیوم کا یہ احتجاج اس ناول کی صورت میں قاری کے سامنے آتا ہے۔آپ جنسی جذبات کو بھڑکانے کے بجائے اس کی اصلاح کا تقاضا کرتے ہیں۔آپ کا یہی منفرد نقطۂ نظر ہے جو آپ کو دیگر تخلیق کاروں سے علیحدہ کرتا ہے اور ادب کی دنیا میں ایک ممتاز مقام کرتا ہے۔

تاریخی اور سیاسی مسائل

شبنم قیوم کے ناول'' یہ کس کا لہو ہے کون مرا ؟ '' میں کشمیر کے بدلتے ہوئے تاریخی حالات پر یوں رقم طراز ہیں:

''ملک کے ان بدلتے حالات کا ذمہ دار وہ فسادات کو گردانتی تھی۔
فسادات سارے ملک کو لپیٹ میں لے کر خطرناک صورت اختیار کر کے
کشمیر کی پریشانی کا باعث بن رہی تھی۔'' ۵۳

مندرجہ بالا اقتباس ہندوستان کی آزادی ۱۵/اگست ۱۹۴۷ء سے پہلے کے ان حالات کو پیش کر رہا ہے۔جن حالات سے ریاست جموں وکشمیر اس زمانے میں دوچار تھی۔ڈوگرہ حکومت میں ریاست کی عوام غلامی کی زندگی بسر کر رہی تھی۔مسلم کانفرنس کے پرچم تلے شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں عوام نے آزادی کا خواب دیکھا۔اس سلسلے میں شبنم قیوم اپنی ناول'' یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟ '' میں رقمطراز ہیں:

''۔۔۔وہ اس وقت اپنے آپ کو ایک قید میں محسوس کر رہی تھی وہ خود سے
کہنے لگی کیا کبھی ایسا ہوسکتا ہے۔میں آسمان کی وسعتوں میں پرواز کرسکوں؟
پرواز کرتے کرتے اس خوبصورت دھرتی کو دیکھوں جس کا نام کشمیر ہے مگر یہ
تو میرا اپنا نام ہے ! یکا یک اس کے کانوں میں سرسراہٹ کی آواز آگئی اور

وہ اپنے آپ سے بولی کوئی میری طرف آ رہا ہے۔۔۔۔۔ یہ میرے پاس پہنچ
رہا ہے۔۔۔۔او ہو، یہ تو میرے پاس آ کر کھڑا بھی ہو گیا۔شاید اس پنجرے
کی کھڑکی کھول دے گا۔جس میں میں بند پڑی ہوں۔۔۔۔! کیا ایسا ہو
سکتا ہے؟ کیا میں آزاد ہو سکتی ہوں ؟ '' ۵۴ے

ریاست جموں وکشمیر کی تاریخ کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ شیخ محمد عبداللہ اقتدار میں آنا چاہتے تھے۔وہ بظاہر آزادی کا ڈھنڈورا پیٹ رہے تھے اور سادہ دل کشمیریوں کو اپنے مفاد کے لیے استعمال کر رہے تھے لیکن اندرونی طور پر وہ معلّمی کے کم تنخواہ والے پیشے سے تنگ آ چکے تھے اور وہ کچھ بڑا کرنا چاہتے ہیں لہٰذا انہوں نے کشمیریوں کو آزادی اور خودمختاری کا کیپشول دیا۔شیخ عبداللہ اپنی ریشما (کشمیر) سے کہتے ہیں:

''ریشما (کشمیر)۔۔۔۔تمہاری حالت زار دیکھ کر میرا ذہن باغی ہو چکا
ہے۔میں نے علم بغاوت بلند کیا ہے۔تمہاری آزادی اور خودمختاری کے
لیے۔۔۔۔تمہاری آزادی اور خودمختاری میرا ایمان ہے اور میرا اصول ہے
!'' ۵۵ے

مسلم کانفرنس کا ساتواں اجلاس ۱۰/۱۱ جون ۱۹۳۹ء میں منعقد ہوا۔اس اجلاس میں مسلم کانفرنس کا نام تبدیل کر کے آل جموں وکشمیر نیشنل کانفرنس رکھا گیا اور ہندوؤں، سکھوں اور دوسرے مذاہب کے لوگوں کے لیے اس جماعت میں دروازے کھولے گئے۔شیخ محمد عبداللہ نے نیشنل کانفرنس کو انڈین نیشنل کانگریش کا تابع بنانا شروع کر دیا تھا لہٰذا چوہدری غلام عباس نے شیخ محمد عبداللہ کی پالیسی سے اتفاق نہ کرتے ہوئے نیشل کانفرنس سے استعفا دے دیا اور انہوں نے ۱۹۴۱ء میں جموں میں اپنے رفقاء کار کی حمایت سے کانفرنس کو دوبارہ تشکیل دیا۔

معاہدہ امرتسر کو ایک غیر اخلاقی اور غیر قانونی ٹھہراتے ہوئے نیشل کانفرنس نے مئی ۱۹۴۶ء میں ڈوگر حکومت کے خلاف '' کشمیر چھوڑ دو '' کی تحریک شروع کی۔اس تحریک کا موقف تھا کہ ڈوگر حکمرانوں پر کوئی حق نہیں ہے۔جی۔ایم۔میر لکھتے ہیں:

''مئی ۱۹۴۶ء میں شیخ عبداللہ کی قیادت میں نیشنل کانفرنس نے بیع نامہ
امرتسر کو چیلنج کیا۔شیخ محمد عبداللہ نے ایک زوردار تقریر میں ''کشمیر چھوڑ دو
بیع نامہ امرتسر توڑ دو'' کا نعرہ لگایا۔اگلے روز شیخ عبداللہ ایک پرائیویٹ کار
میں راولپنڈی جا رہے تھے کہ انہیں ۸۴/میل پر گرفتار کر کے سری نگر واپس

> لایا گیا۔ یہاں انہیں بادامی باغ چھاونی میں رکھا گیا۔ان پر بغاوت کے الزام میں مقدمہ چلایا گیااور ۱۰ر ستمبر۱۹۴۶ءکوانہیں تین برس قیداور قید۵۰۰ روپے جرمانہ کی سزا سنائی گئی۔انہیں بادامی چھاونی سے بھدراہ جیل منتقل کیا گیا۔'' ۵۶؎

دوسری طرف ہندوستانی عوام انگریزوں کی غلامی کی زنجیروں کو اپنے پاؤں سے کاٹنے میں مصروف تھی۔ ہندوستان کے آخری انگریز وایسرائے ماونٹ بیٹن کے دور میں منظور ہوئے'' قانون آزادیٔ ہند '' (Indian Independence Act) کےتحت ہندوستانی عوام کا انگریزوں کی غلامی سے نجات پانے کا دن ۱۵راگست ۱۹۴۷ء کے نام طے تھا تو دوسری جانب ۱۴راگست ۱۹۴۷ءکو دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک پاکستان کے نام سے معرض وجود میں آیا۔اس قانون کے تحت جہاں ہندوستان کو صدیوں کی غلامی کے بعد آزادی ملی اور دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک '' پاکستان'' ظہور پذیر ہوا، وہاں اسی قانون آزادیٔ ہند (Indian Independence Act) میں یہ شق بھی رکھی گئی تھی، کہ والیان ریاست اپنی ریاستوں کے مستقبل کا فیصلہ خود کریں گے۔انہیں یہ اختیار دیا گیا کہ وہ چاہیں تو دونوں نو آزاد ملکوں ہندوستان یا پاکستان میں سے کسی ایک کے ساتھ الحاق کر لیں یا پھر اپنی آزادی اور خودمختاری کا اعلان کریں۔ ریاست جموں وکشمیر آزادیٔ ہند سے پہلے ایک خود مختار ریاست تھی اور یہاں پر ڈوگروں کی مطلق العنان حکومت قائم تھی۔تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ریاست جموں وکشمیر ہندوستان کا حصہ یا اٹوٹ انگ نہیں ہے دوسری طرف پاکستان تو بعد کی پیدوار ہے۔ ریاست جموں وکشمیر کے آخری ڈوگرہ حکمران مہاراجہ ہری سنگھ ۱۲راگست ۱۹۴۷ءتک اپنی ریاست کے مستقبل سے جڑا کوئی فیصلہ نہ کر پائے لہٰذا ہری سنگھ نے ٹیلی گرامز کے تبادلہ کے ذریعے پاکستان کے ساتھ معاہدہ جاریہ (stand still agrement) عمل میں لایا۔اس معاہدے کے تحت ریل، ڈاک تار اور دریائی تجارت کے سلسلے میں پاکستان نے وعدہ کیا کہ زندگی کے یہ شعبے جموں وکشمیر کے ساتھ اسی طرح کام کرتے رہیں گے جس طرح برطانوی دور حکومت میں تھا۔۱۵راگست ۱۹۴۷ءکو معاہدہ جاریہ (stand still agrement) پر حکومت جموں وکشمیر اور حکومت پاکستان کے درمیان باقاعدہ دستخط ہوئے۔اس طرح جموں وکشمیر میں آمدورفت، ڈاک تار اور تجارت پر پاکستان کو اختیار حاصل ہو گیا۔ پاکستان کے کوتاہ اندیش حکمرانوں کو معاہدہ جاریہ (stand still agrement) کا لقمہ ہاضم نہیں ہوا، اور پاکستانی حکمرانوں نے صوبہ سرحد کے قبائیلوں سے ریاست جموں وکشمیر پر حملہ کروادیا۔ ریاست پر

اس قبائلی حملے سے متعلق سازش لیاقت علی خان، غلام محمد، بریگیڈ یئر شیر خان اور بریگیڈ یئر اکبر خان اور دیگر چند ہستیوں نے رچی تھی ۔قبائلیوں کی کمانڈ میجر خورشید انور کو سونپی گئی اور اس شخص کی نگرانی کشمیر میں ظلم و جبر کی انتہا ہوگئی ۔ان قبائلیوں نے کشمیریوں کا خون پانی کی طرح بہایا، عزتیں لوٹیں، ڈاکے ڈالے، مکانوں کو نذر آتش کیا، گھروں سے قیمتی سامان لوٹا، ظلم کی حد تو یہ کہ عورتوں کے کانوں سے سونے اور چاندی کی بالیاں، ہاتھوں سے کنگن اور بدن سے قیمتی لباس اور فرن (feran) تک اتار لیے۔

مہاراجہ ہری سنگھ ریاست جموں وکشمیر کو آزاد اور خود مختار رکھنے کے حق میں تھے ہندوستان کے ساتھ وہ کسی بھی صورت میں الحاق کے حق میں نہیں تھے۔اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مہاراجہ ہری سنگھ کے پنڈت جواہر لال نہرو کے ساتھ تعلقات سے خوشگوار نہیں تھے کیوں کہ ''کشمیر چھوڑ دو ''تحریک کے دوران پنڈت نہرو نے شیخ محمد عبداللہ کی بھرپور حمایت کی تھی ۔سردار پٹیل کے ساتھ مہاراجہ کے تعلقات خوشگوار تھے اور مہاراجہ ہری سنگھ ان کی ہر نیک صلح مانتے تھے لیکن ریاست جموں وکشمیر کا تعلق ہندوستان سے جڑے۔اس سلسلے میں مہاراجہ ہری سنگھ نے کوئی بھی مشورہ کسی بھی شخصیت کا تسلیم نہیں کیا تھا۔ پاکستانی قیادت کی کوتاہ اندیشی اور سیاسی کمزوری کی وجہ سے قبائلیوں کا یک اغیر منظّم حملہ ۲۲ /اکتوبر ۱۹۴۷ء کو قبائلی بارہ مولہ میں قتل وغارت کرتے رہے مقبول شیروانی نے سری نگر ہوائی اڈے (Airport) کی طرف آنے والے راستے سے قبائلیوں کو بھٹکا دیا۔ دوسری طرف مہاراجہ ہری سنگھ پاکستان کی طرف سے ہوئے اس اچانک حملے سے خوف زدہ ہوگئے اور انہوں نے مشکل کی اس گھڑی میں ہندوستان سے فوجی امداد طلب کی ۔ ہندوستان حکمرانوں اس شبھ وقت کا عرصہ دراز سے انتظار کر رہے تھے ۔ پاکستان کی سیاسی کمزوری ،قبائلیوں کی نااتفاقی ،مقبول شیروانی کی غداری اور مہاراجہ ہری سنگھ کی بے بسی اور لاچاری ہندوستان کے حق میں ثابت ہوئیں ۔ مہاراجہ ہری سنگھ جو اپنے خاندانی راج کو برقرار رکھنے کے خواب دیکھ رہے تھے۔بصورت مجبوری ہندوستان کے ساتھ الحاق کرنے کے لیے رضامندی ہوئے۔اس سلسلے میں شبنم قیوم لکھتے ہیں:

> ''پہلے پہل تو اشوک نے اس قسم کی مداخلت سے پس وپیش کیا لیکن حالات کی نزاکت کا احساس دلا کر وہ مدد کے لیے راضی تو ہوگیا۔لیکن اس مداخلت کے لیے جو اڑچنیں پیش آئیں ان کو دور کرنے کے لیے ایک اعلی سطح کی کمیٹی تشکیل دی گئی ۔اس کمیٹی کی نگرانی میں ایک عارضی الحاق کا مسودہ تیار کیا گیا ---'' ۵۷

شبنم قیوم الحاق کے لیےلفظ شادی استعمال کرتے ہیں،اس شادی (مرادالحاق ریاست جموں وکشمیر) سے متعلق درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔شیخ محمد عبداللہ (باپ) اپنی بیٹی ریشما (کشمیر) سے کہتا ہے:

''بیٹی ۔۔۔۔! شادی کا نام جہاں مسرت ہے وہاں غلامی کی نشانی بھی ہے۔تمہارا شوہر محمود ہو اشوک یا کوئی اور ۔۔۔۔کسی ایک کے ساتھ بیاہ کر کے تمہیں اس کے تابع رہ کر اپنی آرزوئیں اور تمنائیں اپنے ہی ہاتھوں قید کرنی پڑیں گی ۔اس طرح تم ایک پنجرے سے نکل کر دوسرے پنجرے میں اپنے آپ کو محسوس کروگی ۔آگے تمہاری مرضی ہے۔تم سوچ لو،میری ان باتوں پر غور کرو اور مجھے جواب دو ۔۔۔۔تم چاہتی کیا ہو؟ ریشما نے باپ کی آنکھوں میں انکھیں ڈال دیں اور بولی ۔ابا جان ۔۔۔۔! آپ نے میری آنکھیں کھول دیں ۔یقیناً میرا مسئلہ عام لڑکیوں سے مختلف ہے۔ میری ایک خوشی کے لیے کوئی اگر دشمن بن کر ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنے تو بہتر ہے کہ میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے کنواری رہوں ۔۔۔۔'' ۵۸؎

بالآخر ۲۶ /اکتوبر ۱۹۴۷ء کو ریاست جموں وکشمیر کا الحاق بھارت کے ساتھ ہو گیا۔شبنم قیوم اپنی کتاب ''کشمیر سیاست،سیلاب،انتخاب'' میں مہاتما گاندھی کا کشمیر مشن کے زیر عنوان صفحہ ۳۳ سے ۵۹ /تک ہندوستان کے ساتھ الحاق کو جعلی اور فرضی قرار دیتے ہیں اور حوالوں کے ساتھ الحاق کی تردید کرتے ہیں۔کشمیر کی تاریخی پر مبنی شبنم قیوم کی یہ کتاب اپریل ۲۰۱۵ء کو منظر عام پر آئی اور عوام میں بہت مقبول ہوئی۔آزادیٔ ہند کے بعد ریاست جموں وکشمیر کو ہندوستان نے اپنے آئین میں ایک خاص مقام سے نوازا ہے۔آئین ہند کے دفعہ ۳۷۰ کے تحت ریاست جموں و کشمیر کو سپیشل اسٹیٹس (special status) دیا گیا ہے ۔اس دفعہ کے تحت ریاست جموں وکشمیر میں بیرون ریاست کا کوئی فرد زمین کے مالکانہ حقوق حاصل نہیں کر سکتا ہے ۔اس دفعہ کے تحت یہاں کے باشندے دوہری شہرت (Dual Citizenship) کا حق رکھتے ہیں۔

شبنم قیوم نے ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟'' میں ہندوستان کی اس کرم نوازی کا ذکر نہیں کیا ہے۔ ہندوستان نے یکم فروری ۱۹۴۸ء میں مسئلہ کشمیر کا مقدمہ اقوام متحدہ (UNO) میں درج کروایا اور اقوام متحدہ سے یہ شکایت کی کہ پاکستان سرزمین کشمیر میں جارحیت کا مرتکب ہوا ہے اور ریاست کے پرامن ماحول کو بگاڑ رہا ہے۔ اقوام متحدہ نے تین ممبران پر مشتمل '' کمیشن برائے ہندو پاک ''(UNCIP) ترتیب دیا۔۲۱ /اپریل ۱۹۴۸ء کو

اس کمیشن کے اراکین کی تعداد بڑھا کر تین سے پانچ کر دی گئی لیکن بدلا کچھ بھی نہیں اور عالمی سطح کا بلند و بالا شان رکھنے والا یہ ادارہ کشمیری عوام کو انصاف دلانے میں ناکام رہا ہے۔اس ستم ظریفی کا نقشہ شبنم قیوم یوں کھینچتے ہیں:

> ''میرے دم میں ایک لاوا ہے جو آج پھٹا جا رہا ہے اس لیے کہ میں بدقسمتی سے ایک ایسی لڑکی ہو جسکے دو عاشق ہیں۔ یہ عاشق مجھے حاصل کرنے کے لیے بار بار آپس میں لڑتے ہیں۔ دراصل یہ دونوں عاشق اسی ارادے کے پیدا کردہ ہیں جہاں میرا کیس ایک زمانے سے اٹکا ہوا ہے۔۔۔۔'' ۵۹؎

اقوام متحدہ نے ۱۳ راگست ۱۹۴۸ء کو ایک تاریخی قرارداد منظور کی جس کے حصہ سوئم میں بھارت اور پاکستان کی حکامتوں نے یہ منظور کیا کہ جموں و کشمیر کے مستقبل کا آخری فیصلہ اقوام متحدہ کی نگرانی میں کشمیری عوام کی رائے اور خواہش کے مطابق آزادانہ اور غیر جانداارانہ ماحول میں کرایا جائے گا۔اس سلسلے میں جی۔ایم۔میر رقمطراز ہیں:

> ''اس قرارداد کو بھارت اور پاکستان دونوں ممالک نے منظور کر لیا۔بعد ازاں ۱۴ رمارچ ۱۹۵۰ء کو قرارداد نمبر ۱۴۶۹ / S، ۳۰ رمارچ ۱۹۵۰ء کو قرارداد نمبر ۲۰۱۳ / S، ۲۴ رجنوری ۱۹۵۷ء کو قرارداد ۳۷۷۹ / S کے ذریعے اس فیصلے کا اعادہ کیا جاتا رہا۔یہ قرارداد ڈیڑھ کروڑ کشمیری عوام کے حق خودمختاری کی ضمانت ہے کیوں کہ اس کے ذریعے تمام اقوام کی عالم نے کشمیر کو آزادی دلانے کا عہد کیا ہوا ہے۔'' ۶۰؎

جموں و کشمیر پر قابض تین بڑی طاقتیں ہندوستان، پاکستان اور چین نے اقوام متحدہ کی ۱۳ راگست ۱۹۴۷ء کو منظور ہونے والی قرارداد کی دھجیاں اُرائیں اور بین اقوام عدالت کی توہین کی اور ریاست میں رائے شماری (Plebescite) کروانے سے گریز کیا۔پاکستان اسی سلسلے میں پھر بین الاقوامی عدالت پر زور دیتا ہے کہ وہ رائے شماری کروائے۔اس کی بڑی وجہ یہ کہ ریاست جموں و کشمیر کی اکثریت مسلم آبادی پر مشتمل ہے اور پاکستان کو یہ گمان ہے کہ مسلم اکثریت اس کا ساتھ دے گی۔دوسری جانب ہندوستان کا کہنا ہے کہ ریاست میں ہر چھ سال بعد مین سٹریم سیاسی پارٹیوں کا الیکشن ہوتا ہے۔جس میں عوام کا جم غفیر حصہ لیتا ہے یہی رائے شماری ہے۔کسی دوسری رائے شماری کی ضرورت نہیں ہے۔تیسری جانب چین کے پاس جموں و کشمیر کا حصہ بھاگتے چور کی لنگوٹی کے مترادف ہے۔ہندوستان اور پاکستان اگر ایمانداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے جموں و کشمیر کو آزاد چھوڑ دیں اور اپنی فوجیں واپس

کرلیں تو چین سے بھی ریاست کا حصہ واپس لیا جا سکتا ہے لیکن ہندوستان اور پاکستان سے جموں وکشمیر کے سلسلے میں ایمانداری اور دیانت داری کا تقاضا کرنا خواب خرگوش کے مترادف ہے جو چند لمحوں کے بعد ٹوٹ جاتا ہے۔

۲۷/اکتوبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے شیخ محمد عبداللہ کو مہر چند مہاجن کی جگہ ریاست جموں وکشمیر کا وزیر اعظم مقرر کیا۔اس سے قبل مئی ۱۹۴۶ء شیخ عبداللہ کی قیادت میں نیشنل کانفرنس نے بیع نامہ امرتسر کو چیلنج کیا۔مہاراجہ کی حکومت کے خلاف آواز اُٹھانے کی پاداش میں شیخ عبداللہ کو گرفتار کر کے پہلے بادامی باغ چھاونی سے بھدرواہ جیل منتقل کیا گیا۔۲۶/ ستمبر ۱۹۴۷ء کو مہاراجہ سنگھ کی طرف شیخ محمد عبداللہ نے ایک معذرت نامہ بھیجا اور مستقبل کے لیے اپنی وفاداری کا یقین دلایا اس طرح شیخ محمد عبداللہ اپنی رہائی کے اکتیسویں ۳۱/دن بعد ریاست جموں وکشمیر کے وزیر اعظم مقرر ہوئے شیخ محمد عبداللہ کے دور میں ۹/جون ۱۹۴۹ء کو مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنے ولی عہد یوراج کرن سنگھ کے حق میں تخت وتاج کا اعلان کیا۔اصل وجہ پردہ ڈالتے ہوئے مہاراجہ ہری سنگھ نے اپنی صحت کے خراب ہونے کا بہانہ کیا۔یہ قدم مہاراجہ ہری سنگھ نے شیخ محمد عبداللہ اور سردار ولبھ بھائی پٹیل کے دباؤ کی وجہ سے اُٹھایا۔پنڈت جواہر لال نہرو نے ۲۴/جولائی ۱۹۲۵ء میں ہندوستانی پارلیمنٹ میں ڈوگرہ خاندان کی حکمرانی کے خاتمے کا اعلان کر دیا۔ ریاست جموں وکشمیر کی آئین ساز اسمبلی نے بھی اس کی توثیق کر دی اور حکومت کے سربراہ کا عہد صدر ریاست کر دیا گیا۔شیخ محمد عبد عبداللہ کا بحیثیت وزیر اعظم یہ بہت بڑا کارنامہ ہے کہ انہوں نے مارچ ۱۹۵۳ء میں ریاست جموں و کشمیر سے جاگیرادانہ نظام کا خاتمہ کر کے لینڈ ریفارم (LAND REFORM)یعنی زرعی انقلاب کے پروگرام پر کام شروع کر دیا۔ایک شخص کے پاس زرعی زمین کی حد ۱۸۴/کنال یا ۱۲۳/ا یکڑ طے کی گئی ،اس طرح بڑے بڑے جاگیرداروں سے زرعی زمین جو ۱۲۳/ریکڑ یا ۱۸۴/کنال سے زیادہ تھی وہ ان کے کسانوں اور خادموں کے نام کی گئی ۔اس طرح غریب کو پیٹ بھر کھانا اور سر پر چھت مل گئی ۔شیخ عبداللہ برصغیر ہندو پاک کی واحد ایسی شخصیت ہے جس نے ریاست میں زرعی انقلاب پروگرام کے تحت جاگیرداری کا مکمل خاتمہ کر دیا۔بٹوارہ کے دوران جموں وکشمیر کا جو رقبہ پاکستان کے قبضہ میں آ گیا وہاں آج بھی لوگ مہاجرین کی زندگی بسر کر رہے ہیں ۔اگر ریاست کا الحاق جیسے شبنم قیوم اپنی ناول'' یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟ ''میں ریشما کی شادی کہتے ہیں پاکستان کے ساتھ ہو گیا ہوتا تو شیخ عبداللہ شاید ہی اپنے دیرینہ خواب''لینڈ ریفارم''(LAND REFORM) کو عملی جامہ پہنا پاتے ۔کیوں کہ محمد علی جناح کے دوقومی نظریے کی شیخ محمد عبداللہ نے مخالفت کی تھی ۔شیخ محمد عبداللہ خود کو سیکولر ثابت کرنے کے لیے ہر حربہ استعمال میں لانا جائز سمجھتے تھے اس حوالے سے شبنم قیوم لکھتے ہیں:

''مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں بدل کر پنڈت نہرو اور سردار پٹیل نے
مجھ سے کہا شیخ صاحب اگر آپ سچے دل سے سیکولر بن گئے ہیں تو آپ کے
چہرے پر یہ ڈارھی زیب نہیں دیتی۔۔۔۔چنانچہ میں نے اسی روز دہلی میں
داڑھی ہٹا کر اپنا چہرہ صاف کرلیا۔'' ۶۱؎

شیخ محمد عبداللہ اور پاکستانی قیادت کے تعلقات بہتر نہ تھے۔ پاکستانی حکمران انا اور ہٹ دھرمی کے شکار تھے وہ یہ سوچتے تھے کہ شیخ محمد عبداللہ کے بغیر ہی کشمیر بزور بازو ان کا ہو جائے گا۔ وہ شیخ محمد عبداللہ کی عوامی مقبولیت کو سمجھنے سے قاصر رہے جب غلام محمد صادق ،بخشی غلام محمد اور چوہدری محمد شفیع الحق پر بات چیت کرنے کے لیے لاہور جاتے ہیں تو مسلم لیگ (ق) کے کارکنان نے اس کشمیری وفد کے خلاف نعرے بازی کی اور شیخ محمد عبداللہ کو قتل کرنے کا بھی باتوں باتوں میں اشارہ کیا۔ اسی نسبت سے عباس آزاد رقمطراز ہیں:

''۔۔۔اتنا ہی نہیں بلکہ شیخ محمد عبداللہ کی ماں بہن کو کھری کھری سنائی اور
اعلان کیا کہ کشمیر پر قبضہ کرنے کے بعد اس غدار کو شاہی قلعہ کے دروازے
پر پھانسی دی جائے گی۔'' ۶۲؎

شیخ محمد عبداللہ کو ترقی کے آسمان سے زمین پر لانے کے لیے دوستوں نے دشمنوں کا روپ اختیار کیا۔ ان کے ساتھی ہندوستان کے زرِ خرید غلام بن کر جا بجا ان سے غداری کرنے لگے۔ ہندوستان کے معاونت کار ڈی این کا چرو اور اجیت پرشاد جین نے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف مسودہ عدم اعتماد تیار کیا۔ اس مسودے پر کابینہ درجہ کے وزراء شام لال صراف، بخشی غلام محمد اور گردھاری لال ڈوگرہ نے دستخط کیے۔ اس مسودے کی بنیاد پر صدر ریاست کرن سنگھ نے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ کو وزارت عظمیٰ سے برطرف کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ ۱۷ راگست ۱۹۵۳ء کو شیخ محمد عبداللہ کو گلمرگ کے ریسٹ ہاؤس (REST HOUSE) نمبر ۵۷ رسے پولس سپریڈینڈنٹ ایل ڈی ٹھاکر نے پولس کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ گرفتار کیا اور پھر انہیں ادھمپور کی تارانو اس محل میں آہنی سلاخوں کے پیچھے ڈال دیا گیا۔ اس منظر کی تصویر شبنم قیوم یوں کرتے ہیں:

''کل کے شہنشاہ کو جب سویرے قیدی بنایا گیا اور ایک تنہا گوشے میں لے کر
خوبصورت بنگلے میں بند کیا گیا تو اس قیدِ تنہائی میں اس نے گرد و پیش کو دیکھا
پھر اس چاردیواری میں اپنے آپ کا جائزہ لیا اور ایک جانب بیٹھ کر کچھ
سوچنے لگا۔ اس وقت غصہ اضطراب اور پریشانی اس کے چہرے پر صاف

> عیاں تھی ۔وہ اس کیفیت میں کبھی اٹھ جاتا کبھی لیٹ جاتا اور کبھی تڑپ اُٹھتا، وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن کس کو۔۔۔۔؟ وہ کچھ سننا چاہتا تھا لیکن کس سے۔۔۔۔؟ اس بات کا احساس ہوتے ہی اس نے اپنے اندر کے آدمی کو باہر نکالا اور اس سے باتیں کرنے لگا۔اس نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور اپنے اندر کا آدمی جواب باہر آکر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔اس سے پوچھا:
> یہ سب کیا ہوا۔۔؟ کیوں ہوا ؟ اور کیسے ہوا۔۔۔؟'' ۶۳

بخشی غلام محمد نے شیخ محمد عبد اللہ کی برطرفی کے بعد ۹/اگست ۱۹۵۳ء میں وزارت عظمٰی کا قلم دان سنبھالا ،بخشی غلام محمد کو ناول'' یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟ ''میں ریشما (کشمیر) کے انکل کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔شیخ محمد عبداللہ کی گرفتاری کی خبر پوری ریاست میں جنگل میں لگی آگ کے مترادف پھیل گئی اور تشدد بھڑک اُٹھا۔شیخ محمد عبداللہ کے حمایتی دیوانہ وار سڑکوں پر نکل کر مظاہرہ کرنے لگے۔اس گرفتاری نے شیخ محمد عبداللہ کو کشمیر کا ہیرو بنا دیا۔ان کا نام نیکی ،صداقت ،آزادی اور خودمختاری کی علامت سمجھا جانے لگا۔دوسری طرف بخشی غلام محمد اور ان کے احباب کشمیریوں کی نظر میں ویلن بن کر رہ گئے ۔بخشی غلام محمد نے ۱۲/اکتوبر ۱۹۶۳ء میں وزارت عظمٰی سے استعفا دے دیا بخشی غلام محمد کے دور کو تاریخ کس طرح یاد کرتی ہے اس لیے درج ذیل اقتباس نمونہ کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ ذرا دیکھئے :

> ''بخشی غلام محمد نے اپنے دور حکومت میں مشہور فلم ساز ضیاء سرحدی کو کشمیر آکر کچھ فلمیں بنانے کی دعوت دی۔جن میں حبہ خاتون کی زندگی پر ایک فیچر فلم بنانا بھی شامل تھا۔ضیاء سرحدی نے یہ دعوت قبول کر لی اور کشمیر آکر حبہ خاتون کے بارے میں مواد اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔کچھ عرصہ بعد بخشی اور اس کے نائب وزیر اعظم درگاہ پرشاد دھر نے ضیاء صاحب کو بلوا کر دریافت کیا کہ ان کا کام کہاں پہنچا ہے۔ضیاء سرحدی نے جواب دیا کہ میں نے خاطر خواہ معلومات جمع کر لی ہیں لیکن میں سوچتا ہوں کہ حبہ خاتون کی زندگی پر فلم بنانا آپ کو راس آئے گا ؟ (suit کرے گا؟) کیوں کہ حبہ خاتون وہ عظیم شخصیت تھیں جس نے اپنے شوہر کی گرفتاری کے بعد ساری عمر دہلی کی حکمرانی کے خلاف جد جہد جاری رکھی جب کہ آپ نے دہلی کی حکمرانی کو

کشمیر میں دعوت دے کر بلایا ہے۔ یہ جواب سن کر بخشی غلام محمد اور دھری
دونوں کو جیسے سانپ سونگھ گیا ہو۔دوبارہ انہوں نے اس ذکر تک نہ کیا اور
ضیاءسرحدی واپس بمبئی چلے گئے۔'' ۶۴

۱۲/اکتوبر۱۹۶۳ءکوشمس الدین کوریاست جموں وکشمیر کا وزیراعظم بنایا گیا۔سابقہ وزیراعظم بخشی غلام محمد کا ایک رشتہ دار بخشی رشید اس نئی حکومت کا ازلی دشمن تھا کیوں کہ بخشی رشید کا نام وزیراعظم کی کرسی کے لیے مرکزی سرکار نے مسترد کر دیا تھا اورشمس الدین کووزیراعظم جموں وکشمیر کے لیے موزوں امیدوار قرار دیا تھا۔شمس الدین کے سر پر وزیراعظم کا کانٹوں بھرا تاج تھوڑا عرصہ رہا۔شمس الدین کی حکومت کو گرانے کے لیے بخشی رشید نے موئے مقدس ﷺ کی حضرت بل کے اثار شریف سے چوری کی اور مسکین باغ سری نگر کے ایک ہاؤس بوٹ میں صاف و پاک کپڑے میں لپیٹ کر رکھ دیا۔جب تک موئے مقدس ﷺ کی بازیابی ہوتی کشمیر کے حالات ناساز گار رہے اور ہر جگہ احتجاج ،دھرنے ، ہڑتال اور اشک بار آنکھیں دیکھیں ، چیخ و پکار اور الامان الامان کی آوازیں سننے کو ملیں۔شمس الدین بہت ہی کم مدت یعنی ایک سو گیارہ (۱۱۱) دن ریاست کے وزیراعظم رہے۔لیکن بحیثیت وزیراعظم جموں و کشمیر شمس الدین کو سب سے زیادہ پُر آشوب ماحول کا سامنا کرنا پڑا۔ان کی دورحکومت کا نقشہ شبنم قیوم یوں کھینچتے ہیں:

''اقتدار کی کرسی پر اپنے ساتھی شمس الدین کو بٹھا کر ریشما کے انکل نے
بظاہر ایک کارنامہ انجام دیا مگران کے لیے چند دنوں کی یہ کرسی کانٹوں کی سیج
ثابت ہوئی۔اگر چہ انہوں نے ریشما کی دل بہلائی میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی
مگر حالات وواقعات نے انہیں ایک پل بھی چین سے بیٹھنے نہیں دیا۔
بے شمار مسائل نے انہیں چاروں طرف سے گھیر لیا وہ ان مسائل نے انہیں
چاروں طرف سے گھیر لیا گیا وہ ان مسائل سے نمٹنا تو چاہتا تھا لیکن جن
لوگوں نے انہیں گھیرے میں لے لیا تھا وہ انہیں مسائل حل کرنے میں مدد
دینے کے بجائے ان کے لیے نئے نئے مسائل پیدا کرنے لگے۔۔۔۔''
۶۵

شمس الدین کے بعد غلام محمد صادق ریاست جموں وکشمیر کے وزیراعظم ۲۹/فروری ۱۹۶۴ء میں منتخب ہوئے اور ۹/اپریل ۱۹۶۵ء تک رہے۔غلام محمد صادق کو یہ شرف حاصل ہے کہ آپ ریاست جموں وکشمیر کے آخری

وزیر اعظم اور پہلے وزیر اعلی ہیں ۔۳۰؍ مارچ ۱۹۶۵ء کو ڈاکٹر کرن سنگھ کو جموں و کشمیر کا صدر ریاست بنایا گیا۔ ہندوستان کے ساتھ الحاق کے بعد ریاست کے پہلے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ تھے۔صدر ریاست اور وزیر اعظم جموں و کشمیر کے معتبر عہدوں کے خلاف ۱۹۵۲ء سے ہی جموں میں ایک کٹر ہندو تنظیم پرجا پریشد جا بجا احتجاج کر رہی ہے۔ پرجا پریشد کا نعرہ تھا:

''ایک دیش میں دو ودھان (آئین)

ایک دیش میں دو نشان (پرچم)

ایک دیش میں دو پردھان (صدر)

نہیں چلیں گے نہیں چلیں گے۔'' ۶۶؎

بلا آخر ۱۰؍ ۱۹۶۵ء کو غلام محمد صادق وزیر اعظم ریاست جموں کشمیر سے وزیر اعلیٰ بنا دئے گئے۔اس طرح ریاست کی ایک منفرد پہچان ختم ہو کر رہ گئی اور عالمی سطح پر یہ بتانے کی کوشش کی گئی کہ ریاست جموں و کشمیر ہندوستان کا ایک حصہ ہے۔دوسری طرف پاکستانی مقبوضہ کشمیر(POK) میں آج بھی وزیر اعظم اور صدر کا عہدہ برقرار ہیں لیکن ان کے پاس بھی اختیارات صفر کے برابر ہیں اور پاکستانی مقبوضہ کشمیر کی عوام کے مستقبل کے فیصلے بھی اسلام آباد میں ہی ہوتے ہیں۔ ہندوستان جموں و کشمیر کا وزیر اعظم اور صدر کے عہدوں کو ختم کرنا اور پاکستان کا ان عہدوں کو برقرار رکھنا ایک سیاسی چال ہے اس کے سوا کچھ بھی ہی نہیں۔ریاست کے دوسرے وزیر اعلیٰ سید میر قاسم ۱۲؍دسمبر ۱۹۷۱ء سے ۲۵؍فروری ۱۹۷۵ء تک رہے۔ان کے دور میں صدر ریاست بھگوان سہائے تھے۔سید میر قاسم نے بھی ہندوستان نوازی میں کوئی کسر باقی نہیں رکھی ہے۔ناول '' یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟ ''میں قاسم کو ریشما کے سوتیلے بھائی کے روپ میں پیش کیا گیا ہے۔سید میر قاسم کی ریاست جموں و کشمیر کے لیے کیسی پالیسی تھی اس کے لیے حساس قلم کار شبنم قیوم کے ناول '' یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟ '' سے درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں:

''ریشما کچھ سوچ کر بولی'' کیا میں کچھ پوچھ سکتی ہوں کہیں تم میرے لیے

شادی کا پیام لے کر تو نہیں آئے؟

کس کی شادی؟

میری اور کس کی؟

لیکن تمہاری شادی تو ہو چکے ہے

کس کے ساتھ؟

اشوک کے ساتھ اور کس کے ساتھ

کیا تم بھی ایسا سمجھتے ہو

کیا۔۔۔۔ مجھے ایسا سمجھنا نہیں چاہیے؟

ریشما کچھ سوچ کر بولی

نوکری کا تقاضا تو یہی کہ تمہیں بھی ایسا سمجھنا چاہیے اور میرا خیال ہے تمہارا بھی انجام ہو گا جو اس نوکری پر دوسروں کا ہوا، افسوس تو اس بات کا ہے کہ دوسروں کا عبرت ناک انجام دیکھ کر بھی تمہیں عبرت نہیں ہوئی۔'' ۶۷

۲۵ر فروری ۱۹۷۵ء کو شیخ محمد عبداللہ نے تنزل عہدہ قبول کیا اور اپنے سر پر وزیر اعلیٰ کا تاج رکھا۔ انہیں اقتدار کی بھوک وزیر اعظم کے عہدے سے ہٹائے جانے کے بعد ستا رہی تھی۔ پہلگام میں ۲۷ر ستمبر ۱۹۷۳ء کو کشمیری قوم کی عزت و آبرو شیخ محمد عبداللہ نے مسز اندرا گاندھی کے قدموں میں رکھ دی۔ ۱۹۵۳ء کو پوزیشن کا مطالبہ مسز اندرا اندرا گاندھی نے ٹھکرا دیا تو شیخ صاحب نے وزیر اعلیٰ کی کرسی کو ہی غنیمت جان کر قبول کر لیا اور حق خداریت اور رائے شماری ست دستر بردار ہو گئے۔ شیخ محمد عبداللہ اپنے مفاد کی خاطر جا بجا رنگ بدلتے تھے اور جو رنگ انہوں نے اختیار کیا اسے خود حق بہ جانب مانتے تھے اور کشمیریوں کو بھی اس رنگ میں خود کو رنگنے کی دعوت دیتے تھے۔ اس سلسلے میں ناول سے ایک خط کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں جو شیخ محمد عبداللہ اپنی بیٹی ریشما کو لکھتے ہیں۔ اس خط کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ شبنم قیوم کو حقائق فکشن میں ضم کرنے پر قدرت حاصل ہے۔ اقتباس پیش نظر ہے:

''بیٹی۔۔۔ تم سب کچھ بھول کر اپنی آئندہ زندگی ہنسی خوشی اشوک کے ساتھ گزار دو۔ میں اشوک کی کیا تعریف کروں بڑا اچھا اور نیک ہے مجھ سے کہہ رہا ہے رائے شماری، حق خوداریت اور آزادی کو بھول جاو اور ریاست کی ڈوبتی نہیا کو کنارے لگاؤ۔ میں نے مشورہ نیک سمجھ کر ڈوبتی کشتی کو بچانے کے لیے پتوار ہاتھ میں لیا ہے۔ میں نے ماضی کو بھول کر حال کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا ہے تاکہ مستقبل۔۔۔۔'' ۶۸

شیخ محمد عبداللہ کے دور حکومت میں ریاست میں پہلی مرتبہ ۲۶ر مارچ ۱۹۷۷ء سے ۹ر جنوری ۱۹۷۷ء گورنر رول (GOVERNER,s RULE) نافذ رہا ہے۔ شیخ صاحب دوبارہ پھر وزیر اعلیٰ کی مسند پر بحال ہو گئے اور اس مرتبہ ۸ر ستمبر ۱۹۸۲ء تک اقتدار میں رہے۔ ان کے بعد ان کا بڑا بیٹا ڈاکٹر فاروق عبداللہ آسمانِ سیاست کا ایک

چمکتا ہوا ستارہ بن کر سامنے آیا۔آپ پہلی مرتبہ ۸/ستمبر۱۹۸۲ء سے ۲/جولائی ۱۹۸۴ء تک پھر دوسری مرتبہ ۸/نومبر ۱۹۸۶ء سے ۱۹/جنوری ۱۹۹۰ء تک اور تیسری مرتبہ ۹/اکتوبر ۱۹۹۶ء سے ۱۸/اکتوبر ۲۰۰۲ء تک ریاست جموں وکشمیر کے تقریباً گیارہ سال وزیراعلیٰ رہے ہیں۔غلام احمد شاہ ۲/جولائی ۱۹۸۴ء سے ۶/مارچ ۱۹۸۶ء تک اقتدار میں رہے۔ان کے دور حکومت کو شبنم قیوم نے اپنی ناول میں پیش نہیں کیا ہے۔فاروق عبداللہ ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟'' میں ریشما (کشمیر) کے بھائی کا کردار نبھاتے ہیں۔اکبر جہاں اپنے بیٹے فاروق کو نصیحت کرتی ہے:

> ''دیکھو بیٹا! میری ایک بات گرہ باندھ کر رکھنا اگر راج تاج کرنا ہے، ترقی کرنی ہے اور دولت کمانی ہے تو اس کے لیے ریشما کو جتنا دبا کر رکھو گے اتنا بہتر رہے گا اس کی ناز برداری کی طرف لگو گے تو اس سے عزت اور شہرت ضرور ملے گی مگر راج تاج نہیں ملے گا جب کہ راج تاج میں عزت شہرت اور دولت سب مضمر ہے ۔۔۔۔ایک بات اور نوٹ کر لو تمہارا راج سب سب اشوک کے قدموں تلے ہے۔ان کے قدموں تلے رہو گے تو عیش کرو گے ۔۔۔۔ہم نے اشوک کو ناراض کر کے جو خمیازہ بھگتنا وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ۔۔۔۔اشوک کی خوشنودی حاصل کرنا ہو تو اس کے محمود کو بُرا بھلا کہنا پڑے گا۔ دھمکیاں اور گالیاں بھی دینی پڑیں تو ہر گریز مت کرنا۔ اشوک کے لیے اس قسم کی چاپلوسی بڑی کارگر ثابت ہوگی، تم دیکھ لینا۔۔۔۔
> ''۲۹

الغرض ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ناول ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟'' اکتوبر ۱۹۴۷ء سے دسمبر ۲۰۰۱ء تک تقریباً ۵۴/سال اور ۳/ماہ کی داستان غم ہے جس میں کشمیری عوام کی چیخ و پکار اور آہ بکا سننے کو ملتی ہے۔اس ناول کو پڑھ کر یہاں کے سیاسی لیڈروں کے چہرے بے نقاب ہو جاتے ہیں۔اور ان کا اصل رنگ عوام کے سامنے آتا ہے۔ ایک حساس دل رکھنے والا قاری ناول کو پڑھ کر کشمیریوں سے ہمدردی کرنے لگتا ہے۔اسے یہاں کہ مفاد پرست حکمرانوں سے نفرت ہونے لگتی ہے۔ڈاکٹر فاروق عبداللہ کے دور حکومت میں ۱۹۸۹ء۔۱۹۹۰ء میں پاکستان کی مدد سے کشمیر میں عسکری تحریک کا آغاز ہوا پھر جن ہاتھوں میں قلم ہونا چاہیے تھا ان میں بندوق آ گئی۔آزادی کے نعرے گونجنے لگے۔معصوم انسانوں کا قتل عام ہوا۔احتجاج، ہڑتال، دھرنے گھروں کا جلنا، آبروریزی طاقت کا بے جا استعمال اور لوٹ مار کشمیر میں روزمرہ کی باتیں بن کر رہ گئیں اور یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے مختصر طور پر کہا جاسکتا ہے کہ

شبنم قیوم نے کل کی سیاست جو آج کشمیر کی ایک طویل اور پیچیدہ تاریخ بن کر رہ گئی اسے بڑے خوبصورت اور فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔

سماجی اور اقتصادی مسائل

ریاست جموں و کشمیر کے سماجی مسائل ایک کھلی کتاب کے مترادف ہے۔ کشمیری سماج میں غیروں کی طرف سے ظلم وتشدد کی انتہا ہو چکی ہے، اس سماج سے عقابی روح کے مالک نوجوان کو چن چن کر موت کی گھاٹ اُتارا جاتا ہے۔ کشمیری سماج فقط مشترکہ زبان، تہذیب وتمدن، رہن وسہن اور غور وفکر رکھنے والے افراد کا گروپ نہیں بلکہ مظلوم انسانوں کی دنیا کی جنت (کشمیر) میں بسنے والے مختلف ذات، برادری اور مذاہب کا بھی مشترکہ سماج ہے۔ کشمیر جو علم وادب کا منبع سمجھا جاتا ہے یہاں پر جہالت انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ یہاں انسان ہی انسان کا قاتل ہے یہاں عورتوں کا بیوہ ہونا، گھروں کا نذر آتش ہونا، بچوں کا یتیم ہونا اور عزت دار مستورات کی عزت لوٹ لینا کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ یہاں پر آئے دن ایسی وارداتیں ہوتی ہیں جن سے کشمیر کی خوبصورتی پر بدنما داغ لگ جاتے ہیں۔ ریاست جموں وکشمیر میں پچھلی دو دہائیوں سے حفاظتی دستوں کے ہاتھوں یہاں کے سماج کی پاک دامن عورتوں کی عزتیں لوٹیں گئیں۔

سماج کی برائیوں کو شبنم قیوم اس طرح سامنے لاتے ہیں کہ قاری کو ایک پل کے لیے سہی سعادت حسن منٹو کی یاد ضرور آجاتی ہے، ان کی قلم میں یہ تاثیر ہے کہ ان کی تحریریں نہ صرف بولتی ہیں بلکہ قاری کے ذہن میں دائمی جگہ بنا لیتی ہیں۔

اشوک (ہندوستان) اپنی منظور نظر محبوبہ ریشما (کشمیر) سے کس طرح بات کرتا ہے ملاحظہ فرمائیں:

> ''ریشما! تم خود کو کیا سمجھ ہوا گر تمہیں کسی چیز کا گھمنڈ ہے تو مجھے اُتارنا آتا ہے۔
>
> زرا اتار تو لو، میں بھی دیکھ لوں؟ '' ۵۰

جس سماج کی عکاسی حساس قلم کار اس طرح قاری کے سامنے پیش کرے جس میں ظلم و جبر کی بُو آتی ہو اس سماج پر ہو رہے ظلم وستم کا نقشہ ان الفاظ ''مجھے اُتارنا آتا ہے'' سے بہتر نہیں کھینچا جا سکتا۔

ریاست جموں وکشمیر کے باشعور حضرات بھی اپنے سماج میں اس وقت جلتی پر تیل کا کام کرتے ہیں جب بات ان کے مذاہب کی ہوتی ہے۔ اس وقت یہ حضرات بھی اپنی ذہانت طاق میں رکھ دیتے ہیں اور یہ سماج جو

صدیوں کے پیار ومحبت اور آپسی بھائی چارے پر قائم ہیں دیکھتے ہی دیکھتے فرقہ پرستی کی نذر ہو جاتا ہے ایسا ہی ایک واقعہ ۱۹۶۳ء پیش آیا جب حضرت بلکہ آثار شریف سے موئے مقدس ﷺ کی چوری ہوئی ۔ ریاست میں فرقہ پرستی کی ہوا تیز ہوگئی ۔ شک کی سوئی غیر مسلم لوگوں کی طرف گھوم رہی تھی لیکن موئے مقدس کی بازیابی کے بعد معلوم ہوا کہ یہ گستاخانہ سازش بخشی غلام محمد کے چچازاد بھائی رشید بخشی نے شمس الدین کی حکومت کو گرانے کے لیے کی تھی ۔ اس ریاست کا المیہ یہ ہے کہ یہاں اقتدار حاصل کرنے کے لیے مذہب ، ذات اور زبان کو استعمال میں لاتا جاتا ہے ۔ جس سے ریاستی اسمبلی ہر چھے سال بعد نااہل اور جاہل لوگوں سے بھر جاتی ہے ۔ ان کے پاس آئینی طاقت ہوتی ہے اور پھر وہ ریاست کے مستقبل کا فیصلہ کرتے ہیں ۔ جس سے ترقی کی نہیں بلکہ تنزلی کی امید رکھنی چاہیے اور اس امید پر وہ کھرا بھی اُترتے ہیں ۔ کشمیری سماج کو بارود کے ڈھیر پر کھڑا کرنے والے ذمہ دار سیاست دان کشمیریوں پر حکومت کرتے ہیں اور کشمیری ان کی حکمرانی قبول کر کے نوکریاں حاصل کرتے ہیں اس وقت وہ اپنے عزیز و اقارب کے خون ناحق کو بھول جاتے ہیں گویا اس وقت کشمیریوں کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے ۔ اس المیہ کا نقشہ شبنم قیوم یوں کھینچتے ہیں:

> ''کشمیری قوم اصل میں یہودی نسل سے تعلق رکھتی ہے ۔ البتہ جب یہ نسل یہودیت کو چھوڑ کر عیسائیت کو قبول کر گئی ، تو یہ قومیت کے ساتھ عیسائیت میں بھی شامل ہوئی ۔ پھر اس قوم نے بدھ مت قبول کر لیا ۔ بدھ مت میں سینکڑوں برس گزارنے کے بعد یہ قوم ہندو بن گئی ۔ برس ہا برس تک ہندو بن کر رہنے کے بعد یہ قوم تیرہویں صدی میں مسلمان بن گئی البتہ مسلمان بن کر بھی یہ قوم فطرات اور خصلت میں خالص نہ رہ سکی اس فطرت اور خصلت کو لے کر جب ہم خود کو دیکھتے ہیں ماننا پڑتا ہے ہمارا باوا آدم ہی نرالا ہے ۔۔۔۔ '' اے

سرزمین کشمیر پر پنپنے والے غیر سماجی عناصر کشمیری مسلمانوں کو عالمی سطح پر دہشت گرد کے روپ میں پیش کرنے کی دوڑ میں لگے رہتے ہیں ۔ ہندنواز ترسیل و ابلاغ یعنی میڈیا بھی کشمیر مسلم نوجوان کو دہشت گرد قرار دینے میں ایک بار بھی سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتا ہے کہ یہ نوجوان قوم کا سرمایہ ہے ، میڈیا کو غیر جانبدار ہونا چاہیے لیکن کشمیری سماج کے لیے یہ بھی ایک المیہ ہے اور حقائق (FACTS) بدل کر پیش کیے جاتے ہیں ۔ ہر منہ میں زبان

رکھنے والے کشمیر نوجوان کو دہشت گرد کا ٹھپہ لگا کر اور پبلک سیفٹی ایکٹ (P.S.A) کے تحت پابند سلاسل کر دینا اور سماج کے ان ہونہار نوجوانوں کے مستقبل کے ساتھ کھلواڑ کرنا کہاں کا انصاف ہے؟ کیا اس طرح جموں و کشمیر ترقی کے منازل طے کر سکتا ہے َ ہرگز نہیں ۔تو پھر ہماری حکومتوں کو جہاں مرہم لگانا ہو وہاں مرچ لگانے اور نمک چھڑکنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کشمیر کیا؟ پوری دنیا کے لیے مسلمان دہشت گرد نہیں ہے اگر وہ دہشت گرد ہے۔تو ظالموں ، چوروں ، زنا بالجبر کرنے والوں اور دیگر غیر سماجی عناصر کے لیے دہشت گرد ہے؟ اس سلسلے میں اسلامی اسکالر ڈاکٹر ذاکر نائیک لکھتے ہیں:

''ہر مسلمان کو دہشت گرد ہونا چاہیے۔ایک دہشت گرد وہ ہوتا ہے جو دہشت پھیلاتا ہے۔جب کوئی چور کسی پولیس کے آدمی کو دیکھتا ہے تو وہ خوف زدہ ہو جاتا ہے یعنی ایک پولیس کا آدمی کسی چور کے لیے دہشت گرد ہوتا ہے۔اسی طرح ہر مسلمان کو غیر سماجی عناصر کے لیے دہشت گرد ہونا چاہیے غیر سماجی عناصر جیسے چور، ڈاکو، زنا بالجبر کے مرتکب وغیرہ ۔۔۔۔'' ۲ے

کشمیری سماج کی ایک نسل تلواروں کے سائے تلے پروان چڑھی ہے۔ریاست کا کوئی گھر بیسویں صدی کی آخری دہائی میں ایسا نہیں بچا تھا جہاں پر پاکستان سے تربیت یافتہ مسلح افراد بازورِ طاقت نہ ٹھہرے ہوں اور اپنی من مرضی کے انہوں نے پکوان نہ کھائے ہوں۔ یہ ایک حقیقت ہے جس سے انکار ممکن نہیں دوسری طرف ان لوگوں نے جس تھالی میں کھایا اسی میں چھید کرنے سے بھی گریز نہیں کیا ہے ۔ملی ٹینٹوں نے یہاں کے نوجوانوں اور بزرگوں کو تاریک راتوں میں اپنا بھاری سامان اُٹھوا کر اور چلتے وقت آگے رکھ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کیے تاکہ آرمی کی گولی پہلے ان مقامی افراد کے سینے کو پار کرے۔دوسری طرف انڈین آرمی نے بھی گاؤں اور جنگلوں میں گشت کے دوران اپنے آگے مقامی لوگ رکھے ہوتے ہیں تاکہ دشمن کی گولی پہلے ان کے سینے کو چھلنی کرے اور وہ اتنے میں پوزیشن لے لیں ۔اپنے اور پرائے کا فرق کرنا محال تھا کہ کون دوست ہے اور کون دشمن ۔ان نامساعد حالات میں مقامی لوگ ذہنی انتشار کا شکار ہو گئے نوجوان کو اپنے مستقبل کا پتہ نہیں تھا۔ ہر طرف دہشت، خوف اور ڈر کا سماں تھا۔شبنم قیوم کے سلسلے میں یوں لکھتے ہیں:

''محمود کے مجاہد جب ریشما سے ملنے کے لیے چور دروازے استعمال کرنے

لگے تو اشوک کے سپاہیوں کے ساتھ ان کی مڈ بھیڑ ہوگئی۔ دیکھتے ہی دیکھتے
ایک زبردست افراتفری پھیل گئی۔ عجیب طرح کی بھگدڑ مچ گئی زندگی
مفلوج سی ہوگئی ہر سو انتشار، ہر جانب خوف و دہشت، قدم قدم پر ڈر
۔۔۔۔۔۔'' ۳۷

جہاں تک ریاست جموں وکشمیر کے اقتصادی مسائل کا تعلق ہے تو یہ ریاست ۱۶/ مارچ ۱۸۴۶ء کے دن ہی اقتصادی طور پر مسائل میں گر چکی تھی۔ اس روز سرکار برطانوی اور مہاراجہ گلاب سنگھ کے درمیان امرتسر کے مقام پر بیع نامہ امرتسر (Amritsar Agreement) ہوا۔ اس معاہدے کے تحت ۷۵/ لاکھ نانک شاہی روپے صوبے کشمیر کے عوض برطانوی سرکار کو ادا کرنے طے ہوئے جن میں سے ۵۰/ لاکھ روپے نقدی اور ۲۵/ لاکھ روپے چھ ماہ کے اندر ادا کرنے تھے۔ مہاراجہ گلاب سنگھ نے اتنی ضخیم رقم انگریزوں کو ادا کی اور اس کا سارا بوجھ عوام پر پڑا۔ مہاراجہ گلاب سنگھ (۱۸۴۶ء۔۱۸۵۶ء) اور ان کے جانشینوں مہاراجہ رنبیر سنگھ (۱۸۵۶ء۔۱۸۸۵ء)، مہاراجہ پرتاپ سنگھ (۱۸۸۵ء۔۱۹۲۵ء) اور مہاراجہ ہری سنگھ (۱۹۲۵ء۔۱۹۴۷ء) کے ادوار میں کشمیری عوام پر مختلف اقسام کے ظلم وستم ڈھائے جاتے تھے۔ فرقہ پرستی کا زہر مہاراجہ گلاب سنگھ کے دل و دماغ میں اس قدر گھر کر چکا تھا کہ اس نے جموں کو اپنا وطن سمجھا اور کشمیر کو اپنا مقبوضہ علاقہ، ظلم کی حد تو یہ تھی کہ مہاراجہ گالاب سنگھ کے دور حکومت میں مسلمان ملازمین آٹے میں نمک کے برابر تھے۔ اس طرح خطۂ کشمیر سرکاری ملازمت اور دیگر سرکاری مرعات سے محروم تھا۔

ڈوگرہ دور حکومت میں جاگیردارانہ نظام پہلے کے مقابلے میں اور زیادہ مضبوط ہوا۔ سینکڑوں ایسے جاگیردار تھے جن کے پاس ایک ہزار ۱۰۰۰/ سے ۷۵/ ہزار کنال تک زمین کا آبی اور خشکی رقبہ ہوا کرتا تھا۔ قانون وقت کے مطابق کاشتکار کو سالانہ یا چھ ماہی فصل کا ۵۰/ فی صد حصہ دیا جاتا تھا مگر اس ۵۰/ فی صد حصے میں کاردار، ذیلدار، تحویلدار، پٹواری اور شقدار وغیرہ کے لیے ۳۸/ فی صد حصہ ہوا کرتا تھا۔ اس طرح کسان کے پاس صرف ۱۲/ فی صد غلہ رہ جاتا تھا۔ جو فصل پر ہوئی لاگت سے پندرہ فی صد کم تھا اس طرح کسان کو ۳/ فی صد کا خسارہ ہو جاتا تھا اور فاقہ کشی کی حالت میں ستو (توے پر گھی ڈال کر پکایا ہوا آٹا) اور نمکین چائے (نون چائے) پی کر گزارا کرنا پڑا تھا۔ کشمیری عوام پر طرح طرح کے ظلم وستم ڈھائے جاتے تھے جن میں سے ایک بیگار ہے (بیگار بلا معاوضہ اور زبردستی کرئے جانے والی مزدوری کو کہتے ہیں) جس کا رواج ڈوگرہ دور میں عام تھا۔ یہاں تک کہ گاؤں کا چوکیدار

بھی کسی فرد کو بیگار کے لیے اپنے ہاں بلاسکتا تھا اور کسی میں میں انکار کرنے کی جرأت نہیں ہوا کرتی تھی ۔ چاروں طرف جنگل راج قائم تھا۔ بیگار کی کہیں قسمیں ہیں جن میں سے گلگت بیگار سب سے پُر خطر ہوا کرتی تھی ۔اس بیگار کا نام سنتے ہی گاؤں کے گاؤں خالی ہو جایا کرتے تھے ۔ کیوں کہ بیگار پر جانے والے بہت کم واپس لوٹتے تھے ۔ ہر بیگاری دوران سفر ۵۰رکلو ساز وسامان اور فوجی رسد اُٹھائے ہوئے ڈوگرہ سپاہیوں کے ڈنڈوں اور لاتوں کے آگے اس طرح چلتے تھے گویا انہوں نے انسان نہیں بلکہ گھوڑے اور گدھے لدے ہوئے ہیں ۔امرناتھ بیگار بھی کشمیریوں کے لیے دردسر بنی ہوئی تھی ۔ جو یاتری پیدل چلنے کے قابل نہیں ہوا کرتے تھے انہیں لاچار اور مجبور کشمیریوں کے کندھوں پر اُٹھا کر امرناتھ گپھا کے درشن کروائے جاتے تھے۔جن کشمیریوں کے پاس گھوڑے ہوا کرتے تھے ان سے بھی بیگار لی جاتی تھی ۔ان دنوں یاترا چند دن کی ہوا کرتی تھی ۔آج کی طرح تقریباً دو ماہ کی نہیں مگر چند دن کشمیریوں کے لیے وبال جان ہوا کرتے تھے۔ایک عجیب طرح کی بیگار’’ لشہ بیگار ‘‘کے نام سے موسوم تھی۔اگر کسی سرکاری عہدہ دار کو رات پڑ گئی تو اس محلے یا بستی کو لوگوں کے لیے یہ فرض عین تھا کہ وہ اپنے ہاتھوں میں مشعل لے کر سرکاری ملازم کو اس کے مقام تک صحیح سلامت پہنچائیں ۔لشہ بیگار کی منادی کبھی کبھار اچانک ہوا کرتی تھی اور بے چارے کشمیریوں کو تمام رات مشعل جلا کر راستے مے کھڑا ہونا پڑتا تھا۔’’ گر بیگار‘‘اور’’ شکار بیگار‘‘ بھی عام تھی۔گر بیگار کے تحت لوگوں سے ان کے گھوڑے ایک جگہ اکٹھے کرنے کا حکم دیا تھا اور پھر ان گھوڑے بانوں کو مع گھوڑوں کے مختلف بیگار کے کاموں پر بزور طاقت بھیج دیا جاتا تھا۔اسی طرح شکار بیگار کے دوران گاؤں کے گاؤں بیگاری کرنے پر مجبور ہو جاتے تھے جب مہاراجہ بہادر کے شکار کھیلنے کا وقت ہوتا تھا تو لوگوں کی ایک بڑی تعداد ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے ہوئے جنگل میں گھس کر جنگلی جانوروں کو شکار گاہ کی طرف ہانکتے تھے اور لوگوں کی ایک اور جماعت شکار گاہ (رکھ) کے اردگرد ایک وسیع گھیرا ڈال دیتی تھی تا کہ شکاری بھاگنے نہ پائے ۔ جب شکار سامنے آتا تھا تب مہاراجہ بہادر تیر یا بندوق کی گولی چلاتے تھے کبھی کبھار نشانہ چوک جانے پر عام آدمی موت کا شکار ہو جاتا تھا مگر مہاراجہ بہادر کے کان پر اس خون ناحق کے لیے جوں تک نہیں رینگتی تھی ۔ جاگیردارانہ نظام اور بیگار کی رسم نے عوام کو اقتصادی طور پر بہت کمزور کر رکھا تھا۔ایسے نظام کی وجہ سے غریب ،غریب ہوتا جا رہا تھا اور امیر ،امیر تر ہوتے جا رہے تھے۔سماج میں معاشی نابرداری سرعت سے پھیلتی جا رہی تھی ۔

ڈوگرہ دور حکومت میں رشوت عام تھی اور سرکاری ملازم یہ رشوت مختلف حربوں سے لیتے تھے۔اس دور میں توت ،چنار اور اخروٹ کو شاہی درخت کہا جاتا ہے۔ان کی نگہبانی کے لیے’’ تلہ راکھ ‘‘یا’’ راکھ‘‘ کے عہدے پر

فائز ملازم ہوا کرتے تھے۔ راکھ کسی بھی شخص کو توت، چنار یا اخروٹ کی لکڑی یا پتے کاٹنے کے الزام میں گرفتار کر کے جیل بھیج سکتا تھا یا ان سے جرمانہ وصول کرتا تھا۔ لوگوں کو ڈرا دھمکا کر اور الزام بے بنیاد لگا کر راکھ رشوت بٹورتے تھے ظلم کی حد تو یہ ہے کہ راکھ بید کی لکڑی کو توت کی لکڑی یا اخروٹ کی لکڑی قرار دے کر رشوت کی راہ نکال لیتے تھے اور اس حرام کمائی کو جرمانہ کہہ کر ہضم کر جاتے تھے۔ کشمیری عوام کی معاشی حالت کیوں کر بہتر ہوتی؟ مہاراجہ گلاب سنگھ کے دور میں ٹیکس قوانین اتنے سخت تھے کہ میت کو اس وقت تک نذر آتش یا سپرد خاک نہیں کرنے دیا جاتا تھا۔ جب تک کہ میت کے وارث مرنے والے کا بقیہ ٹیکس ادا نہیں کرتے تھے۔ چناں چہ کشمیری مجبوراً لاہور، کراچی اور امرتسر ہجرت کرتے تھے۔ جہاں انہیں'' ہتو '' کہا جاتا تھا۔ شیخ محمد عبداللہ نے لاہور میں تقریباً ۱۹۲۷ء میں کشمیری مزدوروں کی ایک انجمن قائم کی اور ان کے حقوق کے لیے تب تک لڑتے رہے جب تک انہوں نے کشمیری'' ہتو '' کو'' حضرت '' بنا کر عزت و احترام کا مقام نہ دلایا۔ بیرون ریاست مزدوری کرنے والے کشمیریوں سے ڈوگرہ ریاست کی سرحدوں پر کسٹم ڈیوٹی (CUSTOM DUTY) کے نام پر لوٹتے تھے۔ کشمیریوں سے لیا جانے والا ٹیکس کشمیریوں کی فلاح و بہبود کے بجائے جنگی ساز و سامان اور مہاراجہ بہادر کی عیش و عشرت پر خرچ کیا جاتا ہے تھا ۔ ڈوگرہ حکومت کے اس ظلم و ستم کے خلاف شیخ محمد عبداللہ نے ۱۹۳۱ء میں عملاً جدوجہد کا آغاز کیا اور ۱۹۴۶ء میں'' کشمیر چھوڑ دو '' کا نعرہ بلند کیا۔ آزادیٔ ہند کے بعد ریاست جموں و کشمیر میں اقتصادی مسائل روز بروز بڑھنے لگے پاکستان نے خفیہ طور پر بیوپاریوں کو ہدایت دی کہ وہ اشیاء خوردنی کشمیر روانہ نہ کریں۔ مواصلاتی نظام کو سرے سے ختم کر دیا گیا جس کا وعدہ مہاراجہ ہری سنگھ سے پاکستانی حکومت نے سٹینڈ سٹیل ایگریمنٹ (Stand Still Agrement) کے ذریعہ کیا تھا۔ اس کے ساتھ کرنسی آفس لاہور نے ریاست جموں و کشمیر کے لیے رقومات کی واگزاری پر بھی روک لگا دی۔ قبائلی حملے کے دوران ریاست میں جانی نقصان کے ساتھ ناقابل تلافی مالی نقصان بھی ہوا اور عوام کے منہ سے نوالہ اور سر سے چھت کا سایہ بھی ختم ہو گیا۔ پاکستان نے پٹرول کی سپلائی پر بھی پابندی عائد کر دی۔ مہاراجہ ہری سنگھ نے اس صورت حال میں ہندوستان سے پانچ ہزار گیلن پٹرول کے لیے دوخواست کی لیکن ہندوستان کی طرف میں ہندوستان سے پانچ سو گیلن پیٹرول فراہم ہوا۔ ریاست کی اس کمزور اقتصادی صورت حال کا نقشہ شبنم قیوم یوں کھینچتے ہیں:

'' اگر ریشما (کشمیر) کو اپنی کمزوری کا احساس نہ ہوتا تو وہ ۔۔۔۔ شاید وہ
ایسے وقت میں جب کہ یہ دونوں ایک دوسرے کو مٹانے پر تلے ہوئے تھے۔

ان دونوں کو ایسا سبق سکھاتی جو دونوں رہتی دنیا تک یاد رکھتے مگر ایک کمزور
لڑکی کی بساط ہی کیا ہے۔۔۔۔آپس میں لڑنے کے بجائے یہ مجھ سے
پوچھتے کیوں نہیں۔۔۔۔تم کیا چاہتی ہو؟ ''[۴۷]

دور حاضر میں ریاست جموں وکشمیر میں ایسے وسائل کی کمی نہیں ہے جن کی بدولت ریاست کی اقتصادی صورتحال کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ ریاست پوری دنیا میں اپنے فطری حسن کی وجہ سے مشہور ہے۔ یہاں کی سرسبز و شاداب وادیاں۔ کھلے میدان، مختلف اقسام کے خوبصورت پھول، اونچی اور برفیلی پہاڑیاں، لہلاتے درخت، بہتی ندیاں، کوکتی کوئل، ناچتا مور سیاحوں کو ریاست جموں وکشمیر کی طرف راغب کرتا ہے۔ سیر وتفریح کے مقامات کو اگر بڑھاوا دیا جائے تو ریاست کے بے روزگار نوجوان کو محکمۂ سیاحت (Department of Tourism) میں روزگار کے مواقع ملیں گے اور سیر وتفریح کے مقامات پر نوجوانان جموں وکشمیر مختلف قسم کی تجارت بھی کر سکتے ہیں اور اپنا پیٹ آسانی سے پال سکتے ہیں۔

ریاست جموں وکشمیر کی کسی بھی حکومت نے صوبہ جموں کے راجوری، پونچھ، ڈوڈہ اور بھدرواہ جیسی وادیوں کی طرف توجہ نہیں دی ہے جہاں دسیر تفریح کے بے شمار خوب سے خوب تر مقامات ہیں۔ سیر وتفریح کے مقامات اگر خطۂ پیر پنجال اور خطۂ چناب میں قائم کیے جاتے ہیں تو یہاں سے سالانہ کروڑوں روپے سرکاری خزانے میں آسکتے ہیں۔ جسے عوام کی فلاح و بہبود کے لیے سرکار خرچ کر سکتی ہے۔ ریاست جموں وکشمیر میں مختلف مذہبی مقامات ہیں جہاں سال بھر عقیدت مندوں کا میلہ لگا رہتا ہے۔ ان مذہبی مقامات پر عقیدت مندوں کے لیے مختلف اقسام کی سہولیات فراہم کر کے سرکار مقامی علاقے کو ترقی کی راہ پر گامزن کر سکتی ہے۔ کشمیر کے مذہبی مقامات میں جیسے آثار شریف حضرت بل (موئے مقدس ﷺ کی زیارت)، زیارت شریف شیخ نورالدین ریشی، حضرت شیخ العالمؒ، حضرت بابا سخی زین الدین ولیؒ، حضرت میر سید حسین سیمنانیؒ اور ہندوؤں کی زیارت امرناتھ گھپا پہلگام کشمیر۔ اسی طرح سے پونچھ، راجوری اور ڈوڈہ کے مقامات میں حضرت شریف پیر بابا غلام شاہ بادشاہؒ ضلع راجوری، زیارت شریف سائیں بابا میراں بخشؒ ضلع پونچھ، ہندوؤں کی زیارت بابا بڈھا امرناتھ ضلع پونچھ اور ماتا ویشنو دیوی کٹرہ۔ ان کے علاوہ ریاست کے ہر ضلع میں کوئی نہ کوئی مشہور آستھان یا مزار ہے جہاں سے آمدنی کیا امید کی جا سکتی ہے۔ انہیں مذہبی دیواروں سے اوپر اُٹھ کر ریاست کی ترقی کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ ریاست میں زراعت (کھیتی باڑی) کا شعبہ بھی اقتصادی صورت حال کو بہتر بنانے کے لیے کارگر ثابت ہوسکتا ہے۔ ریاست میں پانی کی

کمی نہیں ہے دریاؤں ،چشموں اور جھیلوں کے پانی کو ایک مناسب ڈھنگ(Proper Way) سے اگر استعمال میں لایا جائے تو خشک زمین کی آب پاشی کر کے فصل کمائی جا سکتی ہے اور ریاست اس طرح اشیاء خوردنی کے معاملے میں خود کفیل ہو سکتی ہے اور اگر کسان اپنے گھریلو ضروریات سے زیادہ کمائی فصل بازار(Market) تک پہنچائے تو یہ کسان کے لیے آمدنی کا بھی ذریعہ بن سکتی ہے۔اور ضرورت مندوں کی ضرورت بھی پوری ہو سکتی ہے۔اس کے علاوہ دیگر شعبہ جات مثلاً:

مگس بانی	Apiculture	مچھلی پالن	Pisciculture
باغبانی	Horticulture	بھیڑ پالن	Sheep Rering
گُل بانی	Floriculture	ملک ڈیری	Milk Dairy
پولٹری	Poultry	پشو پالن	Animal Husbandry

اور خام اشیاء بنانے کی صنعت (Sericulture) کی طرف توجہ مبذول کرنے کی خاص ضرورت ہے۔اگر سرکار نے اپنی توجہ ان شعبۂ جات پر مرکوز نہ کی تو اشیاء کی پیداوار(Production) کم ہوگی جس سے بازار میں سپلائی کم ہونے سے مطالبہ بڑھ جائے گا جس سے مندرجہ بالا تمام شعبۂ جات سے حاصل ہونے والی پیداوار کی قیمتوں میں اضافہ ہو جائے گا۔جس سے غریب عوام ان تمام شعبۂ جات سے حاصل ہونے والی اشیاء کو خریدنے اور استعمال کرنے سے محروم ہو کر رہ جائے گی۔ان ہی اقتصادی مسائل کو مدنظر رکھتے ہوئے راحت حسین راحتؔ نے کیا خوب فرمایا ہے ملاحظہ فرمائیں:

گرانی کی یہی رفتار رکھی گر حکومت نے
ہمارے زندہ رہنے کے لیے کیا راستہ ہوگا
یہی حالت رہی تو دیکھنا وہ دن بھی آئیں گے
کہ پورے ماہ کی تنخواہ میں بس ناشتہ ہوگا

پروفیسر جاوید قدوس نے شبنم قیوم کی ناولوں کا تجزیہ کرتے ہوئے یوں لکھا ہے:

''شبنم قیوم کے ان ناولوں کی فنی لسانی اور جمالیاتی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں بہت کچھ لکھا تو جا سکتا ہے لیکن چونکہ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ شبنم قیوم کا مقصد طرازی نہیں حقیقت بیانی ہے۔اس لیے قارئین کے لیے بھی

ضروری ہے کہ وہ شبنم قیوم کے ''کشمیر مرکز'' ناولوں کے اندر حرف ،حرف لفظ، لفظ اتر کر ناول پن نہیں، شبنم قیوم کی نیت اور غرض و غائیت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔'' ۵ے

☆☆☆☆☆

حواشی

۱۔ ماہنامہ شیرازہ، جموں وکشمیر میں اردو ادب کے پچاس سال، جموں کشمیر کلچرل اکاڈمی، سری نگر ۲۰۰۴ء، شمار ۳۸، جلد ۳۷، ص ۱۸۴

۲۔ پروفیسر حامدی کاشمیری، ریاست جموں وکشمیر میں اردو ادب، ۱۹۷۱ء بتہ مالو سری نگر، ص ۳۶

۳۔ شخصی انٹرویو، شبنم قیوم، از مشتاق احمد کھوکھر، بمقام ریگل چوک سری نگر، ۹ر دسمبر ۲۰۱۷ء

۴۔ شخصی انٹرویو، شبنم قیوم، از راقم جاوید احمد وانی، بمقام لال چوک سری نگر، ۱۳ر جنوری ۲۰۲۱ء

۵۔ شخصی انٹرویو، شبنم قیوم، از راقم جاوید احمد وانی، بمقام لال چوک سری نگر، ۲۱ر فروری ۲۰۲۱ء

۶۔ ماہنامہ شیرازہ، ''شبنم قیوم بحیثیت ناول نگار''، ڈاکٹر شفق سوپوری، جموں کشمیر کلچرل اکاڈمی، سری نگر ۲۰۱۶ء، شمار ۱۰۲، جلد ۳۹، ص ۵۵

۷۔ شبنم قیوم، ناول پچھتاوا، میزان پبلیشرز بتہ مالو سری نگر، ۲۰۱۵ء، ص ۰۴

۸۔ شبنم قیوم، ناول پچھتاوا، میزان پبلیشرز بتہ مالو سری نگر، ۲۰۱۵ء، ص ۱۸۔۱۹

۹۔ ریحانہ اختر نقوی، اردو کے نمائندہ ناولوں میں نسوانی کردار، ص ۴۱

۱۰۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، کشمیر بک ڈیپو بڈشاہ چوک سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۲۲

۱۱۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، ایضاً۔۔۔ص ۲۷

۱۲۔ شبنم قیوم، کشمیر سیاست، سیلاب، انتخاب، علی محمد اینڈ سنز لال چوک سری نگر، ۲۰۰۵ء، ص ۳۲

۱۳۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، کشمیر بک ڈیپو بڈشاہ چوک سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۳۰

۱۴۔ ڈاکٹر آفاق عزیز، تاریخ سیاست کشمیر جلد اوّل، دہلی ۲۰۱۲ء، ص ۱۸۳

۱۵۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۳۲

۱۶۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، ایضاً۔۔۔ص ۴۹

۱۷۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی، ادب کا تنقیدی مطالعہ، لکھنؤ ۱۹۸۶ء، ص ۱۴۷

۱۸۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۶۶

۱۹۔ ایضاً۔۔۔ص ۹۶

۲۰۔ ایضاً۔۔۔ص ۱۰۴

۲۱۔ ایضاً۔۔۔ص ۱۶۱

۲۲۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، ایضاً۔۔۔ص ۱۵۹

۲۳۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، ایضاً۔۔۔ص ۱۸۷

۲۴۔ ایضاً۔۔۔ص ۲۲۸

۲۵۔ ایضاً۔۔۔ص ۲۳۶

۲۶۔ ''کشمیر میں اردو ناول''مضمون، پروفیسر نذیر احمد ملک، بازیافت ۲۰۱۷ء، شمار۳۷، ص ۲۲

۲۷۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۲۴۱

۲۸۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۲۶۳

۲۹۔ شبنم قیوم اور اس کا فن، خورشید عالم، مشمولہ ماہنامہ مزاج بھوپال مارچ ۱۹۶۷ء، ص ۱۱

۳۰۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۲۷۳

۳۱۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۲۷۵

۳۳۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۲۷۴

۳۴۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۱۶۵

۳۵۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۱۳۲

۳۶۔ ایضاً۔۔۔ص ۱۲۱

۳۷۔ ایضاً۔۔۔ص ۱۳۳

۳۸۔ ایضاً۔۔۔ص ۱۰۴

۳۹۔ ایضاً۔۔۔ص ۱۳۴

۴۰۔ شبنم قیوم، سیکس پولیوشن، وقار پبلیکیشنز سری نگر، ۲۰۰۶، ص ۶۳

۴۱۔ شبنم قیوم، سیکس پولیوشن، وقار پبلیکیشنز سری نگر، ۲۰۰۶، ص ۱۵

۴۲۔ شبنم قیوم ایک ہمہ جہت و منفرد شخصیت، طاہر مضطر، آزادی کی تلاش، ص ۳۴

۴۳۔ شبنم قیوم کا ناول پچھتاوا، محمد ارشاق، رسالہ تحریک ادب، شمار ۳۱، ص ۱۹۲

۴۴۔ شبنم قیوم، ناول پچھتاوا، میزان پبلیشرز بتہ مالو سری نگر، ۲۰۱۵ء، ص ۷۰

۴۵۔ ایضاً۔۔۔،ص ۷۷

۴۶۔ ایضاً۔۔۔،ص ۷۸

۴۷۔ ایضاً۔۔۔،ص ۷۱

۴۸۔ ایضاً۔۔۔،ص ۷۵

۴۹۔ ایضاً۔۔۔،ص ۱۳۰

۵۰۔ نورالحسن نقوی،اردوادب کی تاریخ،ایجوکیشنل بُک ہاوس علی گڑھ،۱۹۹۷ء،ص ۳۰۳

۵۱۔ شبنم قیوم،کشمیرمیں خواتین کی بے حرمتی،وقارپبلیکیشنز،۲۰۱۰ء،ص ۴۴

۵۲۔ شبنم قیوم،ناول پچھتاوا،میزان پبلیشر زبتہ مالو سری نگر،۲۰۱۵ء،ص ۱۳۷

۵۳۔ شبنم قیوم،ناول پچھتاوا،میزان پبلیشر زبتہ مالو سری نگر،۲۰۱۵ء،ص ۱۳۴

۵۴۔ شبنم قیوم،یہ کس کالہوہےکون مرا؟،کشمیربُک ڈیپوبڈ شاہ چوک سری نگر،دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء،ص ۲۲

۵۵۔ ایضاً۔۔۔،ص ۷۶

۵۶۔ ایضاً۔۔۔،ص ۱۰۱

۵۷۔ جی۔ایم۔میر،کشورِکشمیر،رضوان پبلیشر زآزادکشمیر،۲۰۰۴،ص ۲۳۲۔۲۳۳

۵۸۔ شبنم قیوم،یہ کس کالہوہےکون مرا؟،کشمیربُک ڈیپوبڈ شاہ چوک سری نگر،دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء،ص ۱۰۱

۵۹۔ ایضاً۔۔۔،ص ۱۷۴

۶۰۔ ایضاً۔۔۔،ص ۱۴۳

۶۱۔ ایضاً۔۔۔،ص ۱۱۳

۶۲۔ ایضاً۔۔۔،ص ۱۷۹

۶۳۔ عباس آزاد،میراپیام اور ہے،کراچی،۲۰۰۹،ص ۴۴۔۴۵

۶۴۔ شبنم قیوم،یہ کس کالہوہےکون مرا؟،کشمیربُک ڈیپوبڈ شاہ چوک سری نگر،دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء،ص ۱۸۳

۶۵۔ جی۔ایم۔میر،کشورِکشمیر،رضوان پبلیشر زآزادکشمیر،۲۰۰۴،ص ۹۹

۶۶۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، کشمیر بُک ڈیپو بڈشاہ چوک سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۱۱۵

۶۷۔ جی۔ایم۔میر، کشورِ کشمیر، رضوان پبلیشرز آزاد کشمیر، ۲۰۰۴، ص ۲۳۹

۶۸۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، کشمیر بُک ڈیپو بڈشاہ چوک سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۱۱۹

۶۹۔ ایضاً۔۔۔۔، ص ۱۶۸

۷۰۔ ایضاً۔۔۔، ص ۱۶۷

۷۱۔ ایضاً۔۔۔، ص ۱۶۵

۷۲۔ شبنم قیوم، کشمیر سیاست، سیلاب، انتخاب، علی محمد اینڈ سنز، ۲۰۱۵ء، ص ۱۰

۷۳۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک، غیر مسلم کی طرف سے کئے گئے سوالات کے مفصل جوابات، دہلی، ۲۰۱۲ء، ص ۲۸

۷۴۔ شبنم قیوم، یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟، کشمیر بُک ڈیپو بڈشاہ چوک سری نگر، دسواں ایڈیشن اگست ۲۰۱۶ء، ص ۸۳

۷۵۔ ایضاً۔۔۔، ص ۸۶

۷۶۔ شبنم قیوم بحیثیت افسانہ نگار، (مضمون) از پروفیسر جاوید قدوس، آزدای کی تلاش، ص ۱۸

☆☆☆☆☆

ماحصل

ناول اردو ادب کی ایک خوبصورت اور دیگر اصناف سے قدرے نئی صنف ادب ہے۔ یہ ایک ایسی کہانی ہوتی ہے، جس میں حقیقی زندگی کا عکس نظر آتا ہے۔ صنف ادب میں اس کی تعریف بنیادی زندگی کے حقائق بیان کرنا ہے۔ ناول کی اگر جامع تعریف کی جائے تو وہ کچھ یوں ہوگی ''ناول ایک نثری قصہ ہے جس میں پوری ایک زندگی بیان کی جاتی ہے۔'' دراصل ناول وہ صنف ہے جس میں حقیقی زندگی کی گوناگوں جزیات کو کبھی اسرار کے قالب میں کبھی تاریخ کے قالب میں کبھی رزم کے قالب میں کبھی سیاحت یا پھر نفسیات کے قالب میں ڈھالا جاتا ہے۔

راقم نے ایم۔فل کے مقالے کے لیے فن ناول نگاری سے دلچسپی کی بنا پر شفیق اساتذہ کے مشورے سے ''شبنم قیوم کی ناول نگاری کا تنقیدی جائزہ'' موضوع انتخاب کیا۔ اپنے عزیز نگراں کی رہنمائی سے اس مقالے کو تین ابواب میں منقسم کیا۔

باب اول : (الف) ریاست جموں وکشمیر کی تاریخی وسیاسی پس منظر

(ب) شبنم قیوم کے سوانحی کوائف

(ا) حالات زندگی

(۲) شخصیت

اس باب میں ریاست کی درجہ بندی، حد بندی، صوبوں کا کل رقبہ اور صوبوں کی مقامی زبانوں کے ساتھ ساتھ چھوٹی چھوٹی زبانوں کے بارے میں اظہار خیال کیا گیا ہے۔ اردو کے یہاں آنے کا سبب بھی بتایا گیا ہے۔ جموں وکشمیر کی تاریخ میں گلاب سنگھ کا دور اہمیت کا حامل ہے اس لیے رنجیت سنگھ اور گلاب سنگھ کا ذکر کرنا بھی راقم نے لازم وملزوم سمجھا ہے۔ ریاست میں اردو کے فروغ اور ترقی کے اسباب پر بھی روشنی ڈالنے کی سعی کی گئی ہے۔ جموں و کشمیر کی تاریخی وسیاسی پس منظر پر بحث کرنے کے بعد راقم نے شبنم قیوم کے سوانحی کوائف، حالات زندگی اور شخصیت یعنی دونوں حصوں پر مفصل بحث کرنے کی کوشش کی ہے۔ شبنم قیوم کے آبا واجداد، پیدائش، تعلیم، ریشی سلسلہ سے عقیدت، ملازمت، ازدواجی زندگی، ادبی زندگی (مختصر)، اعزازات وانعامات اور شبنم قیوم سے ایک انٹرویو اختصار کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد شخصیت سے جڑی چیزوں جیسے لباس، غذا، معمولات زندگی، رہن سہن،

ہمدردی ومخلصی، بحیثیت دوست، انداز گفتگو، حلقۂ احباب ،سفرعرب اورفریضہ حج کے ذریعے شبنم قیوم کی شخصیت کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

بابِ دوم : شبنم قیوم کی علمی وادبی خدمات

اس باب میں راقم نے موصوف کی تمام علمی و ادبی خدمات کو زیر بحث لایا ہے۔شبنم قیوم کے ناول، افسانے، ڈراما،سفرنامہ اور دیگر تصنیفات پر بھی مختصرسی روشنی ڈالی گئی ہے۔شبنم قیوم کی ناول نگاری کا آغاز ''پرانے ڈگر اور نئے قدم'' ناولٹ سے ہوالیکن اس کا پہلا شائع ہونے والا ناول ''زندگی اور موت'' ہے،ان کے ناولوں میں ''چراغ کا اندھیرا''، ''پیاس''، ''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟''، ''پچھتاوا'' وغیرہ شامل ہیں،ناول ''یہ کس کا لہو کون مرا؟'' شبنم قیوم کی شہرت کا سبب بنا۔یہ ناول کشمیر کی تواریخ کے اہم قصوں اور اہم نکات کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔اس کے علاوہ موصوف کے تین افسانوی مجموعوں ''ایک زخم اور سہی''، ''نشانات'' اور ''تلاش'' میں شائع شدہ افسانوں کے موضوعات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ان کے افسانوں میں زندگی سے متعلق شاید ہی ایسا کوئی گوشہ ہو جو انہوں نے ضبطِ تحریر میں نہ لایا ہو،ان کی کہانیوں میں جذبات اوراحساسات کے ساتھ رشتوں کی رفاقت بھی ملتی ہے انہوں نے اپنے بیشتر افسانوں میں کشمیری، کشمیری سماج اور کشمیری ماحول کو کینوس بنا کر تخلیقی تانے بانے بنے ہیں۔

شبنم قیوم کے مشہور ڈراما ''یادگار'' کا بھی اس باب میں ذکر کیا گیا ہے۔اس کے ساتھ ہی سفرنامہ ''جو کہوں گا سچ کہوں گا'' کو بھی شامل کیا گیا ہے۔مزید اس باب میں موصوف کی دیگر تصانیف جن میں ''کشمیری کا سیاسی انقلاب ۱۹۸۹ء''، ''سیکس پولیشن ۲۰۰۶ء''، ''کشمیر میں خواتین کی بے حرمتی ۲۰۱۰ء''، ''مفصل تاریخ وتحریک کشمیر ۲۰۱۴ء''، ''کشمیر سیاست سیلاب اور انقلاب ۲۰۱۵ء''، ''Kashmir Acession A Farce (2015)'' وغیرہ کا بھی ذکر ملتا ہے۔ان سب تصانیف میں تقریباً شبنم قیوم نے کشمیر پر ڈھائے گئے مظالم، بھارت کا کشمیر پر زبردستی تسلط ہونا۔کشمیر کی عورتوں کا استحصال اور دیگر مضامین کو نڈر ہو کر عام قاری تک پہنچانے کی کوشش کی ہے بھارت کے معاہدے کو شبنم قیوم کھلے عام دھوکہ اور فریب کہتے ہیں اور ثبوت وشواہد کے ساتھ اس جھوٹے معاہدے کو اپنی کتاب ''Kashmir Acession A Farce (2015)'' میں عیاں کرتے ہیں۔

بابِ سوم : شبنم قیوم کی ناولوں کا تنقیدی جائزہ

تیسرا باب جو اس مقالے کا اہم اور آخری باب ہے اس میں موصوف کی دو ناولوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا

گیا ہے۔شبنم قیوم نے یوں تو بہت سارے ناول لکھے لیکن قدرت کو شاید یہ ناول منظور نہ تھے اور ۲۰۱۴ء کے خوفناک سیلاب کے نذر ہو گئے۔اس باب میں شبنم قیوم کے مشہور ناول ''یہ کس کا لہو کون مرا؟''اور''پچھتاوا'' کا تنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔

ناول ''یہ کس کا لہو کون مرا؟'' پہلی مرتبہ ۱۹۷۵ء میں منظر عام پر آ گیا۔اس ناول نے سیاسی،صحافتی،ادبی اور عوامی حلقوں میں تہلکہ مچا دیا۔یہ ناول ریاست کے سیاست دانوں خاص کر شیخ محمد عبداللہ کے چہرے سے نقاب اُٹھاتا ہے،ان کی پیدا کی ہوئی غیر یقینیت کو بھی آشکار کرتا ہے۔کشمیریوں کو بارود کے ڈھیر پر کھڑا کرنے والے ہری سنگھ اور لارڈ ماؤنٹبیٹن کے بارے میں بھی اس ناول میں ذکر کیا گیا ہے۔ناول کا پلاٹ منظّم ہے اور ناول نگار نے واقعات کو بڑی ہنرمندی کے ساتھ ترتیب دیا ہے۔ناول میں ناول نگار نے کرداروں کو مصور کی طرح پیش کیا ہے۔ہر کردار اس طرح پیش کیا ہے کہ ایک مکمل تصویر قاری کے سامنے آجاتی ہے۔مرکزی کرداروں میں ریشما (کشمیر) محمود (پاکستان) اشوک (ہندوستان) شامل ہیں۔ضمنی کرداروں میں شیخ محمد عبداللہ (ریشما کے والد) فاروق عبداللہ (بھائی) بخشی (انکل) صادق (ماموں) قاسم (سوتیلا بھائی) اور اکبر جہاں ''ریشما کی والدہ'' کے روپ میں پیش کی گئی ہے۔

ناول '' یہ کس کا لہو کون مرا؟ '' کی زبان سادہ اور سلیس ہے زبان اس قدر سادہ ہے کہ پورے ناول میں کسی لفظ کا معنی دیکھنے کے لیے لغت کا سہارا نہیں لینا پڑتا ہے۔اردو محاوروں کے علاوہ کشمیری محاورہ ''کھنہ منز وکس'' کا بھی استعمال کیا ہے۔مکالموں کے ذریعے قاری پہچان لیتا ہے کہ کردار کس خصلت کے مالک ہیں۔اس تناظر میں ناول نگار نے احساسات کو اس طرح اپنے خاص نقطۂ نظر سے پیش کیا ہے اور قاری کو زندگی سے متعلق اپنے تجربات سے آگاہ کرتا ہے۔''یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟ ''ان کے اپنے تجربات کا آئینہ ہے۔شبنم قیوم کا ناول ''پچھتاوا'' ۲۰۱۵ء میں منظر عام پر آیا۔یہ جنس کے موضوع پر لکھا گیا ناول ہے۔اس ناول میں انٹرنیٹ،ٹی وی،سینما اور موبائل کے ذریعے پھیلی ہوئی برائیوں پر شبنم قیوم نے بڑی بے باکی سے قلم اُٹھایا ہے۔اس ناول کا موضوع کشمیر کا ایک پنڈت گھرانا ہے جو سیکس کے سیلاب میں غرق ہو جاتا ہے۔ناول کا مرکزی کردار ''انیل رینا'' بدحالی اور کسمپرسی کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہو جاتا ہے۔یہ ناول پڑھنے کے بعد قاری بھی ان کرداروں پر پچھتاوا کرنے لگتا ہے جن کے گرد نواح میں یہ کہانی گھومتی ہے۔

ناول ''پچھتاوا '' کا پلاٹ اصولوں کے مطابق سادہ پلاٹ ہے۔یہ ناول سادہ پلاٹ کی بہترین مثال

ہے۔ناول میں چستی، حسن، ترتیب، تناسب پایا جاتا ہے۔واقعات کو فطری انداز میں ایک دوسری کے ساتھ جوڑا گیا ہے۔ناول'' پچھتاوا '' کے کردار اصلی زندگی کی نمائندگی کرتے ہیں جس طرح انسان حالات کے تحت تبدیلی کا شکار ہوجاتا ہے اسی طرح ناول'' پچھتاوا '' کے کردار خوشی، غمی، آزادی، مجبوری اور دیگر سازگار اور ناسازگار حالات کی وجہ سے تغیر پذیر ہوتے ہیں۔اس ناول میں انیل رینا، آشا بھان، اسلم میر، ناہیدہ، نیلم وغیرہ کے کردار ملتے ہیں۔

شبنم قیوم کے ناول'' پچھتاوا '' کی زبان عام بول چال کی زبان ہے۔ایک ایسی زبان جس میں عام قاری سمجھ سکتا ہے اس ناول کی زبان بناؤ سنگار سے پاک ہے۔یہی وجہ ہے کہ قاری کا ذہن اصل موضوع یعنی کہانی یا واقعات سے بھٹکی نہیں ہے۔اس کے علاوہ انگریزی زبان کے الفاظ بڑے سلیقے سے استعمال ہوئے ہیں۔

ناول'' پچھتاوا '' میں شبنم قیوم نے اپنے نقطۂ نظر کو پس پردہ رکھا ہے۔ناول کے آغاز سے انجام تک قاری ناول نگار کے تجربات اور مشاہدات سے متاثر رہتا ہے۔چونکہ شبنم قیوم نڈر، بے باک اور حقیقت کو دوٹوک الفاظ میں افشا کرنے والے ادیبوں میں سے ہیں اس لیے راقم نے شبنم قیوم کی ناولوں میں خاص دلچسپی لی۔جہاں تک راقم نے مطالعہ کیا دیگر ادیبوں کے یہاں اتنی سچائی کم ملتی ہے۔جہاں کشمیر کی تاریخ، وہاں کا ظلم و جبر اور خاص کر الحاق کے بارے میں ادیب زبان کھولنے اور قلم چلانے سے کتراتے ہیں۔وہی شبنم قیوم ان چیزوں پر کھل کر بحث کرتے ہیں حالاں کہ اس پاداش میں وہ جیل بھی گئے ہیں، انہیں روپوش بھی رہنا پڑا، لیکن ہزار مصیبتیں جھیلنے کے بعد بھی انہوں نے سچائی کو اوجھل نہیں ہونے دیا۔راقم نے اپنے مقالے میں اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کشمیر کے وہ حقائق جو پردہ خفا میں تھے کس طرح دیگر مصنفین کے برعکس شبنم قیوم نے عام قاری تک پہنچانے کی کوشش کی۔

☆☆☆☆☆

کتابیات

۱۔شمارہ نمبر ۲۔مصنف/مولف ۳۔کتاب ۴۔ ناشر ۵۔سالِ طبع

۱۔ ابوالکلام قاسمی ناول کا فن ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڑھ ۱۹۹۲ء

۲۔ احسن فاروقی /نورالحسن ہاشمی ناول کیا ہے دانش محل لکھنؤ ۱۹۵۱ء

۳۔حامدی کشمیری (پروفیسر) ریاست جموں وکشمیر میں اردو ادب شیخ عثمان اینڈ سنز سری نگر ۲۰۱۰ء

۴۔ سلام سندیلوی (ڈاکٹر) ادب کا تنقیدی مطالعہ نسیم بک ڈیپو لکھنؤ ۲۰۱۰ء

۵۔ شبنم قیوم کشمیر کا سیاسی انقلاب کشمیر بک ڈیپو سری نگر ۱۹۸۹ء

۶۔ شبنم قیوم نشانات میزان پبلیشرز سری نگر ۲۰۱۰ء

۷۔ شبنم قیوم Kashmir Acession A Farce وقار پبلیکیشنز سری نگر ۲۰۱۵ء

۸۔ شبنم قیوم پچھتاوا وقار پبلیکیشنز سری نگر ۲۰۱۵ء

۹۔ شبنم قیوم یہ کس کا لہو ہے کون مرا ؟ کشمیر بک ڈیپو سری نگر ۲۰۱۶ء

۱۰۔ گیان چند جین (ڈاکٹر) تحقیق کا فن روشان پرنٹرز دہلی ۲۰۱۷ء

۱۱۔ محمد الدین فوق تاریخ اقوام کشمیر گلشن پبلیشرز سری نگر ۱۹۹۶ء

۱۲۔ نورالحسن نقوی اردو ادب کی تاریخ ایجوکیشنل بک ہاوس علی گڑھ ۲۰۰۱ء

۱۳۔ ولی محمد نورشاہ جموں وکشمیر کے اردو افسانہ نگار میزان پبلیشرز سری نگر ۲۰۱۲ء

رسائل

۱۔ رسالہ بازیافت پروفیسر عبدالقادر سروی کشمیر یونی ورسٹی شمارہ نمبر ۰۵ ۱۹۹۶ء

۲۔ رسالہ شیرازہ جموں وکشمیر میں اردو ادب کلچرل اکاڈمی جموں وکشمیر شمارہ ۸۷ ۲۰۰۴ء